تعلیماتِ اسلام کا علمبردار دینی و علمی ماہنامہ
الحق
سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، پاکستان

شہر شہر اور گاؤں میں
سب کے پاؤں میں
سروس
شوز
سروس
ہوائی چپل
جدید ترین اور دلکش ڈیزائنوں
میں
ہلکی پھلکی - آرام دہ - ارزاں
Servis

اے۔ بی۔ سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

فون نمبر دار العلوم : ۴ | قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر ہالٹش : ۲

جلد نمبر : ۱۱ | | ۲۰ اکتوبر تا ۲۰ نومبر ۱۹۷۵ء

شمارہ نمبر : [illegible] | ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک | ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ

مدیر

سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ بارہ روپے

بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ۔

فی پرچہ : — ایک روپیہ ۲۵ پیسے

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحق نے اپنی زندگی کا گیارھواں ورق پلٹا اور کتاب زندگی کی ایک دہائی گویا پلک جھپکتے ہی مکمل ہوگئی۔ کان لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار۔ ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ الحق نے دعوت حق و اعلاء کلمۃ اللہ کی خاردار وادی میں قدم رکھا۔ وسائل و اسباب کی کوئی پونجی جادۂ حق کے اس مسافر کے پاس نہ تھی سوائے رحمت حق کی آس کے، جو سب سے بڑی متاع فوز و فلاح ہے دس سالہ سفر کے اس کٹھن ادوار اور مراحل میں یہی توفیق ایزدی تھی جو شامل حال رہی اور اس کی مدد سے راہ کی دشواریاں اور صعوبتیں آسان ہوتی رہیں۔ رہروان راہ حق کی آزمائشیں بھی کتنی کڑی ہوتی ہیں؟ قدم قدم پر گھاٹیاں منزل بہ منزل ہوا و ہوس اور طمع کی نظر فریبیاں، کانٹے ہی کانٹے مگر اس سفر کی آبرو تو یہی ہے کہ دامن سمیٹ کر منزل مقصود تک پہنچنے کی جہد مسلسل میں لگے رہئیے۔ اور ع تادم آخر دمے فارغ مباش۔ کو زاد راہ بنائیے۔ مشکلات اور امتحانات کو نہ صرف یہ کہ خاطر میں نہ لائیے بلکہ ______ ع کافی ہے خدا ایک اگر میرے لئے ہے۔ کا ورد کرتے ہوئے مخلوق کی بیداد و ستائش اور تمام ظلم و ستم سے صرف نظر کیجئے کہ ؎

روشن کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ سیلیہا ید اللہ می زند

الحق نے زندگی کے اس عشرۂ کاملہ میں ساڑھے سات ہزار صفحات شائع کئے۔ انسان خطاؤں کا پتلا ہے۔ معلوم نہیں کہاں کہاں ٹھوکر لگی، کہاں کہاں لغزش ہوتی۔ مگر عزم ہر حال میں نیکی کو پھیلانا اور شر کو مٹانا ہی رہا ____ الحمد للہ کہ الحق کی کسی سطر کے پیچھے مادی طمع، فانی مخلوق سے خوف اور اظہار حق میں مداہنت یا مصلحت کوشی نہیں رہی۔ وانما الاعمال بالنیات۔ جو ذات دلوں کا بھید جانتی ہے، اس کی رحمتوں سے قوی امید ہے کہ لغزشوں اور ذلتوں سے بھی درگذر فرماویں گے۔ الحق کی قندیل جس وقت روشن ہوئی تھی آج دس سال بعد اس کی لو اس کی چمک اور اسکی روشنی کی ضرورت پہلے دن سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ ظلمتوں کے سائے بھی مرور ایام کے ساتھ گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بیسویں صدی قریب الاختتام ہے، خدا فراموش مادہ پرست تہذیب و تمدن بھی اپنی طغیانی اور سرکشی کی آخری حدود چھو رہا ہے۔

جہاں صحافت اور مطالعہ جنس اور مادیت کی داشتہ بن جائے۔ جہاں سنجیدہ علم و ادب عنقا ہو، اور جہاں حق و صداقت کی آواز دعوتِ ہلاکت و بربادی کے مترادف ہو جائے۔ جہاں صنعتکاروں اور کاروباری حلقوں کا معیارِ انتخاب صرف کاروبار و دنیا ہو اور کاروبارِ آخرت کو ہنسی مذاق سمجھا جائے، جہاں قومی اور حکومتی سہولتیں قصیدہ گوئی کی بھینٹ چڑھ جائیں وہاں خالص علم اور دینی بنیاد پر الحق جیسے پرچوں کو زندہ رکھنا سوائے خدائے بزرگ و برتر کی مدد اور بیکراں فضل و کرم کے بغیر کب ممکن ہے؟ اس لئے ہم آج بھی اسکی نظرِ کرم کے اتنے ہی محتاج اور امیدوار ہیں جتنے کہ الحق کے یوم تاسیس کو تھے۔ ہمیں اپنے قاریوں کی دعاؤں اور مشوروں کی بھی ضرورت ہے۔ کوتاہیوں اور غلطیوں سے عفو و تسامح کی بھی امید ہے۔ مگر ہم ساتھ ہی ساتھ پہلے سے بھی بڑھ کر بھرپور تعاون اور جوشِ عمل کے بھی متمنی ہیں۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ والباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

پچھلے ماہ علم و عمل کی اسلامی دنیا عموماً اور مسلک دیوبند کے عالمِ رشد و ہدایت کو خصوصاً متعدد صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ ہندوستان کے ممتاز عالم مولانا محمد میاں صاحب انتقال فرما گئے۔ پاکستان کے ممتاز ادیب آغا شورش کاشمیری واصل بحق ہوئے اور کئی دیگر علمی و دینی شخصیتوں نے عالم آب و گل کو الوداع کہا۔

مولانا محمد میاں دہلوی مرحوم نے زندگی بھر حق کا ساتھ دیا جہاں وہ مجاہدین جادۂ حق کے ایک شہسوار تھے وہاں انہوں نے قلمِ صداقت کے طاغوتِ اکبر۔ اکبر کے عہد لادینی سے لے کر تقسیم ہند تک علماء حق کی داستانِ جہاد و عزیمت کو مرتب اور مدون کیا۔ دجل و تلبیس کی تاریکیوں اور ایمان فروشی کے بازاروں سے علم و یقین اور جہاد و عمل کے ہیروں کو نکال نکال کر علماء حق کے شاندار ماضی کو اجاگر کیا، وہ جمعیۃ العلماء ہند کے ترجمان اور شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے معتمد خاص تھے۔ اس کے ساتھ علوم قرآن و سنت کی تدریس سے بھی اپنی زندگی آراستہ رکھی، آخری زندگی میں انہوں نے حضرت شیخ الہند کی عالمگیر اور محیر العقول تحریک ریشمی رومال پر دستاویزی حقائق شائع کئے۔ اسلام کے اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مسائل پر گرانقدر کتابیں لکھیں۔ سیرتِ طیبہ پر عصر حاضر کی روشنی میں ان کی جاندار اور مؤثر کتاب کے کچھ حصے اصل کتاب سے پہلے الحق میں شائع ہوئے، ادارہ الحق اور مدیر الحق سے بھی ہمیشہ محبت و شفقت فرماتے رہے۔ آج وہ خادم علم و دین اور مجاہد جلیل جنکی زندگی علماء حق کی روشن مثال تھی خود علماء حق کے شاندار ماضی کا ایک روشن باب بن چکا ہے۔ حق تعالیٰ

ان کی مغفرت فرمائے اور عالم بالا کے اسلامی افق پر مجدد الف ثانی سے لیکر شیخ الاسلام مولانا مدنی تک آئمہ رشد و ہدایت اور ارباب صدق و صفا کی جو بزم سجی ہوئی ہے اس میں بہترین مقام عطا فرمادے۔

وہ شخص جس کا ضمیر حق کیلئے شورش و اضطراب اور سوز و گداز سے اٹھا تھا اسے دنیا آغا عبدالکریم شورش کاشمیری کے نام سے پہچانتی ہے۔ اور جواب ہمیشہ کیلئے جدا ہوچکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شورش مرحوم جو کچھ بھی تھے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ معروفات کو پھیلاؤ اور منکرات کو مٹاؤ، حق بہرحال حق ہے۔ اور باطل کو باطل کہنا چاہئے اور اُسے مٹ جانا چاہیئے۔ ان الباطل کان زھوقا۔ اسلامی تاریخ میں ابن حزم کے قلم کو تلوار سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہی حالت شورش کے قلم کی تھی۔ یہ الگ بات کہ کبھی ان کی بصیرت اور طاقت کو ٹھوکر بھی لگ جاتی کہ وہ بھی انسان تھے۔ معصوم نہ تھے۔ مگر جذبہ سوئے اخلاص پر مبنی ہوتا۔ اس لئے قلم کی تلوار کا کبھی کبھار وہ اپنوں کو بھی مشق ستم بنا لیتے۔ مگر رجوع الی الحق کے بعد ان کی عداوت محبت سے بدلنے میں بھی دیر نہ ہوتی۔ وہ الحب للہ والبغض للہ کے قائل تھے تاہم معرفت و امتیاز حق میں کبھی کبھی اختلاف ہو بھی جاتا ہے۔ مگر ان کے حسنات کی فہرست طویل اور مستند ہے۔ ان کی لغزشوں میں سب سے بڑی لغزش منکر حدیث پرویز بدبخت کی ایک بار وکالت تھی۔ الحق نے یہ چیز دیکھی تو جذبہ نصح و خیر خواہی اور مسئولیت عنداللہ کے پیش نظر ان کا تعاقب کیا جو شرافت کی دعوت دینے کی بات تھی۔ مگر آغا صاحب مرحوم نے نہ صرف کھلے دل سے اس تلخ کلامی کو گوارا کیا بلکہ اس کے بعد پرویز کی تائید سے اپنا دامن شکایت تک ملوث نہ کیا۔ ایسے مرحلے کبھی کبھی زندگی میں آ جاتے ہیں مگر مجموعی طور پر وہ جہاد آزادی کے اولوالعزم مجاہد، اعلاء کلمۃ الحق کے علمبردار، آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر مر مٹنے والے اور صحافت و ادب کے میدان کے نامور و نگار شہسوار تھے۔ بزرگان دین اور ارباب حق و صداقت علماء کی جماعت ان کا اسوہ رہا اور وہ اس طبقہ کے بیباک ترجمان اور مسلک دیوبند کے عظیم وکیل اور اسلام کے بہترین خادم تھے۔ ان کی زندگی ان کے ہم پیشہ ارباب قلم اور اصحاب صحافت و ادب کیلئے عظیم الشان سبق ہے کہ قلم کی آبرو اور حق کی عظمت و برتری کو قائم رکھنا نہ صرف آخرت بلکہ دنیا کے لحاظ سے بھی نہایت نفع بخش سودا ہے۔ حق تعالیٰ انہیں آج عالم حقیقی میں محنتوں کا صلہ عظیم الشان نعمتوں کی شکل میں عطا فرمائے۔ اور شافع محشر خاتم النبیین ان کے شفیع ہوں۔

گوجرانوالہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کی نظام شریعت کانفرنس علماء کے نئے نئے جوش اور نئے ولولوں کا پیغام لے کر آئی۔ اس شان و شوکت سے رکاوٹوں کے باوجود اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے اتنے لوگوں کا جمع ہو جانا اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ تھا۔ اور اس بات کا ثبوت کہ اہل حق کے عزم و استقامت کو حالات کی ناگواری ہرگز نہیں ڈگمگا سکتی۔ کنونشن کے اختتام میں، قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمود صاحب نے حالات حاضرہ پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور نفاذ شریعت کے سلسلہ میں آزادانہ شرعی عدالتوں کے قیام کا اعلان بھی ہم اس موضوع پر کسی اور فرصت میں تفصیل سے لکھیں گے کہ یہ نہایت قابل توجہ عظیم الشان اور قابل اعتناء مسئلہ ہے۔ مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قوم کے صحیح اور مثمر نتائج خدمات کے سلسلہ میں یہ پہلا مثبت اور انقلابی اقدام ہوگا۔ اگر جمعیۃ نے اس کے طریقہ کار، لائحہ عمل اور عملاً اس کام کو بڑھانے کا بارگراں سر پر لیا تو آگے چل کر انشاء اللہ کئی بہت سی سیاسی، معاشرتی، مشکلات حل کرنے کی راہیں بھی نکل آئیں گی۔ اور قوم ہر لحاظ سے جس گرداب آفات میں مبتلا ہے۔ علماء حق اس کے نجات دہندہ قرار پا سکیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ سمیع الحق

قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	ایڈیٹر الحق کے قلم سے تعمیر اخلاق، اصلاح معاشرہ، عبادات کا اخلاقی پہلو، افراط و تفریط سے پاک معتدلانہ نظام۔ قیمت: ۲/۵۰ روپے
تقریر مولانا مدنی	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی ایک مسموعہ غیر مطبوعہ تقریر، حکمت و موعظت کا خزانہ۔ قیمت ۷۵ پیسے۔
عبادات و عبدیت	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات و تقاریر کا تازہ مجموعہ بندگی اور اس کے آداب عبادات کی حکمتیں اور اعمال صالح کی برکات اللہ کی عظمت، محبوبیت اور دیگر بیشمار علمی و دینی مضامین۔ قیمت ۵ روپیہ

تبلیغی اور دعوتی جہاد

اگر آپ الحق کی دینی اور علمی افادیت محسوس کرتے ہیں۔ تو اس آوازۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ آپ کے تعاون ہی سے الحق بہت جلد اپنے بلند معیار تک پہنچ سکتا ہے۔

الحق کا استحکام اور اُسکا فروغ

تعلیماتِ کتاب وسنّت، کلمۂ حق، دینِ قیّم اور نوامیسِ اسلام

کا فروغ ہے

اگر آپ اس دینی اور تبلیغی جہاد میں براہ راست شریک ہونا چاہتے ہیں۔ تو آئیے اپنے بھرپور تعاون سے الحق کی سرپرستی کیجئے۔ واجرکم علی اللّٰہ۔

- اپنے حلقۂ اثر و رسوخ سے الحق کیلئے خریدار بہم پہنچائیے۔
- دینی درد اور تڑپ رکھنے والے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں الحق سے روشناس کرائیے۔
- اپنی طرف سے نادار طلبہ، دینی اداروں، تعلیمی مراکز، لائبریریوں بالخصوص باطل نظریات سے متاثر افراد کے نام الحق جاری کرائیے۔ الحق مہینہ بھر کی فکری اور علمی کاوشوں کا مرقع ہوتا ہے —— آپ گھر بیٹھے اس تمام تبلیغی محنت میں برابر کے شریک ہوں گے۔
- اگر آپ کے نام الحق جاری ہے۔ اور آپ نے زر اشتراک ابھی تک نہیں بھیجا۔ تو جلد ارسال فرمائیے۔
- اگر آپ کسی تجارتی فرم کے مالک ہیں تو خود، ورنہ اپنے زیر اثر حضرات سے الحق کیلئے اشتہارات مہیا فرمائیے
- اپنے شہر میں کسی موزوں دیانتدار شخص کے ہاں الحق کی ایجنسی قائم کروائیے۔
- اپنے امدادی عطیات سے الحق کو زیادہ سے زیادہ ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہونے کا موقع دیجئے۔

اس پُرفتن دور میں الحق دعوت حق کی ایک قندیل اور استیصال باطل کا ایک محاذ ہے، اس کے فروغ اور استحکام میں آپ کی کوئی سعی انشاء اللہ رائیگاں نہ ہوگی۔ اور آپ بارگاہ ایزدی سے اجر و تحسین کے مستحق ہوں گے ——

—— ناظمِ الحق ——

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

قربانی

سنت ابراہیمیؑ

(خطبۂ عید الاضحیٰ ۱۳۹۴ھ عیدگاہ اکوڑہ خٹک)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) واذا ابتلی ابراھیم ربّہ بکلماتٍ فاتمھنّ ۔ الآیۃ

محترم بزرگو! اکثر حضرات دور دراز سے آئے ہیں، اس لئے چند منٹ کچھ عرض کروں گا تقریر کا نہ وقت ہے نہ صلاحیت، بیمار بھی ہوں۔

محترم بزرگو! آج جو سنت ہم اور آپ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد انشاء اللہ ادا کریں گے، یہ قربانی ہے، اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: سنّت ابیکم ابراھیم ـــ انبیاء کرام کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا ایک نہایت بلند مقام ہے، ان کی ساری زندگی قربانی اور عزیمت کی زندگی ہے۔ ساری زندگی عظیم الشان ایثار استقامت اور اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے سے لبریز ہے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ تو ملک کا ماحول ستارہ پرستی اور بت پرستی کا تھا۔ نمرود جیسے ظالم حکمران کے ہاتھ میں حکومت تھی۔ اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر بت پرستوں کا پروہت یعنی لاٹ پادری ہے۔ تمام دھرمسالوں کے نگران ہیں۔ گویا وزیر تعلیم اور وزیر مذہبی امور ہیں۔ ایک اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ خود بت تراش ہیں۔ ایسے وقت میں ظالم نمرود کے خلاف آواز بلند کرنا کتنا سخت کام تھا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا جگر تھا کہ سارا ماحول سارا خاندان اور سارا گھر سارا علاقہ بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہے اگر حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کا طریقہ اختیار کر لیتے۔ تو ان کو بھی والد جیسا اہم منصب مل سکتا تھا، وہ بھی ملک کے مذہبی پیشوا ہوتے، وزیر ہو جاتے، مگر نہ صرف اس عہدہ اور منصب کو لات ماردی بلکہ پوری قوم حکومت اور ملک کی دشمنی مول لی۔ اور اعلان کیا کہ: انّی بریٓئٌ مما تعبدون ـــ ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا کہ میں تمہارے بتوں اور ان کی پرستش اور مشرکانہ رسم و رواج سے بالکل

بیزار ہوں۔ پہلے اپنی قوم کو عقلی پیرایہ میں سمجھانا چاہا کہ اے میرے والد اسے میری قوم، تم ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو مجبور و مقہور اور بے بس ہیں۔ دوسرے کے حکم کے تابع ہیں۔ دوسرے کے کنٹرول میں ہیں، یہ سورج کبھی طلوع ہوتا ہے، کبھی غروب۔ یہ چاند کبھی گھٹتا ہے، کبھی بڑھتا ہے۔ تغیر و تبدل قبول کرتے رہتے ہیں۔ فلما جن علیہ اللیل رای کوکب۔

معبود برحق اور خدا تو ہمیشہ کی صفت پر متصف رہتا ہے۔ وہ تو قدیم اور واجب الوجود ہوتا ہے۔ اس کی صفات اور حالات میں تغیر و تبدل نہیں آتا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہر قسم کے دلائل سے بات قوم کے سامنے رکھ دی۔ کہ یہ بت پرستی اور شرک بالکل حرام اور خلاف عقل ہے۔ لیکن قوم جہالت کی وجہ سے نہ سمجھ سکی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے سمجھانے کا دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ یہ بت عاجز ہیں، کچھ نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کا کوئی تہوار تھا۔ ان کی عید کا دن تھا، لوگ سب باہر کسی میدان میں جمع ہونے نکلے۔ حضرت ابراہیمؑ شہر میں رہے۔ دھرم سال میں آکر سب بتوں کو توڑ دیا بڑے بت کو چھوڑ کر کلہاڑی اور تیشہ اس کے کاندھے پر رکھ دیا اور جو نذرانے اور چڑھاوے لوگوں نے بتوں کے سامنے رکھ دئے تھے وہ سب اکٹھے کر کے بڑے بت کے سامنے رکھ دئے۔ یہ چڑھاوے ان لوگوں کے زعم میں متبرک ہو جاتے اور عید کی شام کو آکر اسے آپس میں بانٹ لیتے۔

لوگ تہوار سے واپس آئے۔ تو بت خانہ کی حالت دیکھی کہ ہمارے سارے خداؤں کو توڑا گیا ہے تو حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ کلہاڑی تو اس بڑے بت کی گردن پر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خفا ہوا اور سب کو توڑ ڈالا، زبان حال سے بتلا رہا ہے کہ ان میں لڑائی ہوئی ہے۔ اگر جواب خواہ مخواہ چاہتے ہو تو خود ان بتوں سے پوچھ لو۔ قوم شرمندہ ہوئی، اور دل میں اعتراف کیا کہ یہ تو نہ بولتے ہیں نہ آواز سنتے ہیں، نہ نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مگر حق کی دشمنی اتنی دلوں میں بس گئی تھی کہ بجائے ایمان لانے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں فیصلہ دیا کہ لکڑیاں جمع کر دی جائیں اور عظیم الشان لاوہ تیار کر کے حضرت ابراہیمؑ کو اس میں جلا دیا جائے کہ انہوں نے ہماری ملکی قومی اور ریاستی مذہب کی توہین کی ہے۔

اب بڑے بڑے مرد عورت سالم و رعایا اس کام میں شریک ہو گئے اور آگ کے لئے ایندھن جمع کرنے لگے اور فیصلہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو منجنیق میں بٹھا کر لاوہ میں پھینک دیا جائے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا کہ اللہ کی راہ میں ایک مقدس نبی قربانی دیتا ہے۔ عرش سے فرش تک کائنات اور ملائکہ روتے ہیں کہ یا اللہ آج تیرے جان نثار بندے کو آگ میں جلایا جا رہا ہے۔ روایات میں ہے کہ

باقی ص۴۵ پر

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

ضبط و ترتیب
ادارہ الحق

مسلک دیوبند کا تحفظ

اور

علماء دیوبند کی اجتماعی ذمہ داریاں

دارالعلوم دیوبند کی عظمت جامعیت اور ہمہ گیری

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں فضلاء دیوبند کے ایک بڑے اجتماع میں کی گئی تقریر

ہر قسم کی مشرکانہ آمیزشوں اور تمام رسومات و بدعات کی آلائشوں سے یکسر پاک و صاف معتدلانہ نظامِ عقیدہ و عمل جو عقلِ سلیم کے مطابق ہو اور قرآن و سنّت سے سرمو متجاوز نہ ہو کا نام مسلک و مشرب دیوبند ہے اور اس کے وابستگان درحقیقت ارشاد نبوی ما انا علیہ واصحابی۔ کی بناء پر اہل سنّت والجماعت کا مصداق کامل، اس مسلک و مشرب کو اپنانے والا ہر عقلمند اور فہم سلیم کا حامل مسلمان بقول علامہ اقبالؒ دیوبندی ہے اس مسلک و مشرب کی حفاظت و فروغ اور دشمنانِ دین کی ریشہ دوانیوں اہل ہوس و الحاد کی دست درازیوں اور اہل بدعت کی ہوس رانیوں سے اس کا تحفظ علماء دیوبند کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور اجتماعیت کے لئے اوّلین ضرورت تنظیم کی ہوتی ہے ایسی ہی ضرورت پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے چند سال قبل (۲۴ رجون ۱۹۶۲ء کی صبح) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسۂ دستاربندی کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کے ابناء قدیم فضلاء دیوبند کے ایک خاص اجتماع سے حسب ذیل خطاب فرمایا تھا، جسے اس وقت ضبط کرلیا گیا ــــ اس وقت حالات ہمیں مسلک و مشرب کی حفاظت و فروغ کیلئے جد و جہد اور اہل بدعت کی دجل و تلبیس کو شکست اور ناکام کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ پیشِ نظر تقریر میں حضرت نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

کے ظاہری و معنوی جانشین مسلک دیوبند سے وابستہ تمام حضرات سے مخاطب
ہیں۔ جسے ہم آج الحق میں پہلی بار شائع کر رہے ہیں۔ (سمیع الحق)

★

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) بزرگانِ محترم! دارالعلوم دیوبند جس کا نام آپ کل سے بار بار سن رہے ہیں، اور یہ تمام اکابر جو اس وقت یہاں دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاس میں آپ حضرات کے سامنے جمع ہیں، اسی دارالعلوم دیوبند کے اجزا و اعضاء ہیں دارالعلوم کے ارکان ہیں۔ ان ہی حضرات کے اجتماع کا نام دارالعلوم دیوبند ہے۔ خواہ دارالعلوم کے اندر ہوں یا باہر ہوں۔

بقائے دین کیلئے دارالعلوم دیوبند کا الہامی قیام | دارالعلوم دیوبند کا قیام رسمی طور سے عمل میں نہیں آیا۔ کہ چند آدمی شہر کے ذمہ دار حضرات جمع ہوئے۔ اور ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ صورت نہ تھی۔ بلکہ صورت یہ تھی کہ انگریزوں کا تسلط و اقتدار ہندوستان میں آیا۔ دین کی کس مپرسی کا حال سب کے سامنے ہوا۔ خدشہ یہ ہوا کہ اسلام شاید اب باقی رہے یا نہ رہے۔ تو اس وقت جتنے اولیاء اور اکابر تھے، یکدم ان کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا کوئی ادارہ ہونا چاہئے۔ کہ اس کے ذریعہ سے دین اور علم دین باقی رہے۔ دین کی حفاظت کی جاسکے۔ اگر یہ باقی رہے۔ تو تمام چیزیں اسلام اور مسلمان کی باقی رہ سکتی ہیں۔ اور اگر دین و علم دین باقی نہ رہے۔ تو خدانخواستہ مسلمان مسلمان نہ رہ سکیں گے۔

اہل اللہ کو کشف و الہام | دین کا بقاء علم دین کی ابقاء سے ہو سکتا ہے۔ اور اگر یہ باقی نہ رہے اور مسلمانوں کی قوت و شوکت اگر باقی بھی ہو تو قابل اعتناء نہیں۔ تو وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں وارد ہوا کہ ایسا ادارہ ضروری ہے۔ ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ اکابر جمع ہوئے تھے۔ دین کے بارہ میں فکر دامنگیر تھی، تو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے۔ کہ مدرسہ قائم ہو، کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہونا چاہیئے۔ غرض تمام اولیاء اللہ کا اجماع منعقد ہوا۔ کہ ادارہ قائم ہو، تو ایک رسمی صورت نہ تھی۔ بلکہ غیبی اور باطنی صورت تھی، الہامی اور کشفی صورت تھی۔ چنانچہ الہام خداوندی کے تحت اس مدرسے کا قیام عمل میں آیا۔

قیام دارالعلوم کیلئے حاجی امداد اللہؒ کی توجہات | حضرت مولانا یاسین صاحب دیوان جی حضرت قاسم العلومؒ کے خادم خاص اور معتمد علیہ تھے۔ جب حج کو گئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں جانا ہوا۔ جو پورے مشائخ کے شیخ اور مرشد طریقت تھے، تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ ہمارے مدرسہ کے لئے بھی دعا کریں۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ سن کر تعجب سے

جواب میں فرمایا: چہ خوب پیشانیاں تو برسوں ہم نے رگڑیں، راتوں بھر سجدے کئے، دعائیں ہم نے مانگیں۔ اب جب مدرسہ قائم ہوا، تو مدرسہ آپ کا ہوگیا۔ اور پھر فرمایا: کہ ہمارا خیال مدرسے کا تھانہ بھون یا نانوتہ میں قائم ہونے کا تھا۔ ہمیں کیا خبر تھی۔ کہ دیوبند والے یہ غنیمت لے اڑیں گے۔ تو مدرسہ دیوبند کا قیام ہنگامی حالات اور مشورہ سے نہیں ہوا۔ بلکہ اکابر کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ سجدے کئے جا رہے تھے۔ راتوں کو دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ معلوم ہوا۔ کہ الہام غیبی سے مدرسہ قائم ہوا۔

دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھنے والوں کی روحانیت اس ادارہ کی عمارت کی سب سے پہلی اینٹ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دارالعلوم کے جلیل القدر استاذ کے نانا میاں جی منے شاہ نے رکھی۔ ان کا نام محمد حسینؒ تھا۔ میاں جی صاحب مرحوم کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے فرمایا کہ میں آج پہلی اینٹ ایک ایسے شخص سے رکھواؤں گا۔ کہ جسے کبھی عمر بھر صغیرہ کے درجہ میں بھی گناہ کا تصور نہیں ہوا۔ استغراق اور ربودگی کی یہ کیفیت طاری تھی۔ کہ اپنی اولاد تک کو نہ پہچانتے۔ ان کے داماد تھے۔ اللہ بندہ نام تھا۔ جب ان کی خدمت میں آتے۔ تو پوچھتے، نام بتاؤ۔ تو وہ جواب دیتے اللہ بندہ۔ پھر پوچھتے: کون؟ تو جواب دیتے، آپ کا داماد ہوں۔ دس منٹ بعد پھر وہی استغراق۔ یہ کیفیت استغراق کی جاری رہتی۔ نہایت ہی پاک طینت بزرگ تھے۔ جب انتقال ہوا۔ اور غسل کے لئے تختے پر لٹائے گئے۔ تو چشم دید واقعہ مولانا محمد یٰسین صاحب نے سنایا، جو میرے فارسی کے استاد تھے۔ اور آپ کے پاکستان کے مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد تھے۔ انہوں نے خود سنایا کہ تختے پر لٹاتے ہی میاں صاحب ایک دم کھل کھلا کر ہنسنے لگے۔ شور مچ گیا۔ لوگ دوڑ پڑے۔ جب مجمع زیادہ ہوا تو ہنسنا بند ہوا۔ تو اس قماش کے لوگ تھے جنہوں نے دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھی۔ پھر حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوریؒ اور دوسرے اکابرؒ نے بعد میں اینٹ رکھی۔ ظاہر ہے کہ اینٹ رکھنے والے ایسے اولیاء اللہ اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ایسے لوگ ہوں۔ تو اس مدرسہ کی بنیادیں کتنی مضبوط ہونگی۔ آج بحمد اللہ اس پر سو برس کے قریب زمانہ گذر گیا ہے۔ ہزاروں مصائب آ آ کر ختم ہوئے۔ اور وہ مدرسہ ترقی کرتا گیا۔ برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ اور آج تک اسی آب و تاب سے قائم ہے۔ یہ ایک رسمی بات ہے۔ کہ فلاں شخص وہاں کا مہتمم ہے۔ عہدیدار ہے، یا مدرس ہے۔ اور اسے ترقی دیتا ہے۔ یہ غلط ہے اور محض ایک تہمت ہے۔ ترقی دینے والے غیبی طاقت ہیں۔ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کرتا ہے۔ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ دارالعلوم

آدمیوں کو بناتا ہے۔ آدمیوں نے دارالعلوم کو نہیں بنایا۔

دارالعلوم دیوبند کی شانِ مرکزیت | یہ ایک کسوٹی ہے۔ پرکھ ہے۔ یہاں دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء ہیں۔ اور مدارس قائم کئے ہوئے ہیں۔ میں برما گیا، تو دارالعلوم کے فیض یافتہ موجود، افغانستان گیا تو سینکڑوں علماء موجود اور قصبہ قصبہ آباد ہے۔ مدارس قائم کر چکے ہیں۔ یہاں کثرت سے فضلاء سرگرمی سے اپنے کام میں لگے ہیں۔ ان سب کا رجوع دارالعلوم کیطرف ہے۔ یہ اس ماحول کے آثار ہیں۔ وہاں کی غیبی طاقت ہے۔ کہ سب کا تعلق اور رجوع اس مرکز کیطرف ہے۔ وہاں کے فضلاء کہتے ہیں کہ جب ہم دارالعلوم سے جدا ہوئے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ماں کی گود سے جدا ہونے کی حالت ہے۔ گویا ایک جاذبیت ہے۔ روحانیت ہے۔ اور دارالعلوم مرکز روحانیت بن گیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی شانِ مجددیت | ہر ایک صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد آئے گا، جو دین کو نکھارے گا، عقائد اعمال اور کلیات دین میں لوگ جو فرق اور خرابی ڈالیں گے۔ مجدد ہر صدی میں آکر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر دے گا۔ تو فرمایا کہ مجدد کے لئے فرد واحد ہونا شرط نہیں۔ جماعت بھی مجدد بن سکتی ہے۔ اور فرمایا کہ دارالعلوم کے بانی حضرات حضرت نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ ان سب کی حیثیت مجدد کی سی ہے۔ اور ان حضرات کا مظہر اتم دارالعلوم ہے۔ گویا دارالعلوم کی حیثیت مجدد کی سی ہے۔ جس نے بدعت و سنت کو الگ الگ کیا۔ دین کو غلط ملط، غل و غش سے پاک صاف کر دیا۔ مسائل میں جو غلط لوگوں نے کیا تھا۔ اسے نکھار نکھار پاک صاف رکھ دیا۔ یہ ایک کیفیت ہے، دارالعلوم کی۔ مادی چیزوں میں تغیر اور انتشار ہوتا ہے۔ روحانیت میں قدرتی طور پر اجتماع ہوتا ہے۔ اور دارالعلوم کی بنیاد روحانیت پر ہے۔ مادہ کا خاصہ ہی تغیر ہوتا ہے اور روحانیت میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایک شیخ کے مرید۔ ایک استاد کے شاگرد قدرتی طور پر مجتمع رہتے ہیں۔ آپس میں جڑے رہتے ہیں۔ اسیطرح دارالعلوم کے فضلاء کے قلوب ایک مرکز سے وابستہ ہیں۔ اور حقیقی طور سے وابستہ ہیں۔

گویا دارالعلوم کی حیثیت مجدد کی سی ہے، جس نے بدعت و سنت کو الگ الگ کیا۔ دین کو غلط ملط، غل و غش سے پاک صاف کر دیا۔ مسائل میں جو غلط لوگوں نے کیا تھا، اسے نکھار نکھار پاک صاف رکھ دیا۔

بانیٔ دارالعلوم کے زمانہ میں باہمی اتحاد و اتفاق | تو اتحاد کا مرکز ہے۔ تو قدرتی طور پر ان کا آپس میں اتحاد قائم ہے۔ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب سے سنا کہ حضرت نانوتویؒ جب تک حیات تھے۔ ان کی سرپرستی دارالعلوم کو حاصل تھی۔ تو کیفیت یہ تھی۔ اور ہماری حالت یہ تھی کہ

لوگ اختلاف کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے دلوں میں افتراق کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اور جب ان کی وفات ہوئی۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی آئی تو اگر کچھ اختلافات اٹھتے بھی۔ مگر حضرت گنگوہی کی روحانیت کی وجہ سے ختم ہو جاتے۔ ان کی روحانی طاقت انہیں دبا دیتی۔ اور قوت مجتمع رہتی۔ پھر خلفاء کے زمانے میں مراکز الگ الگ ہوئے۔ مرکز خلفاء بن گئے۔ مگر قوت مجتمع تھی۔ مریدین آپس میں مجتمع تھے۔ اس وقت سوال پیدا ہوا کہ مراکز کے اختلافات کی وجہ سے رسمی طور سے تنظیم ہونی چاہیئے۔ تاکہ رسمی طور بھی ایک اتفاق پیدا ہو جائے۔ ایک نظام اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ مرکز پر سب متحد رہیں۔ ورنہ مشائخ کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے صورتِ اختلاف تشتت وظاہری پراگندگی نمایاں ہو جاتی ہے۔ گو وہ درحقیقت مذموم نہ ہو۔

تنظیم فضلاء کی ضرورت اس وقت بزرگوں کے دلوں میں وارد ہوا کہ تنظیم ابنائے دارالعلوم دیوبند ہونی چاہیئے۔ یہ تنظیم ابنائے قدیم آج کی بات نہیں۔ ہاں زیادہ قوت اس تنظیم میں ابھی چند سال ہوئے کہ پیدا ہوئی۔ ورنہ مولانا حبیب الرحمان صاحبؒ نے میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم کے زمانہ میں جب کہ دارالعلوم ان کے ہاتھ میں تھا۔ اسکی ضرورت محسوس کی۔ زیادہ قوت سے اس کی ضرورت اب محسوس کی گئی۔ یہ تنظیم کوئی سیاسی تنظیم نہ ہو۔ نہ سیاسی مقاصد اس کے ساتھ متعلق ہوں۔ بلکہ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ فضلاء دینی علمی قابلیتوں سے عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو منظم کیا جائے تاکہ زیادہ مؤثر ثابت ہوسکیں۔ آج ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم کے فضلاء ہیں فیض یافتہ ہیں۔ جو دین کو ... سنبھالے ہوئے ہیں۔ مختلف ممالک ... میں ... اس کے ... فضلاء ... پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ تنظیم کوئی سیاسی تنظیم نہ ہو، نہ سیاسی مقاصد اس کے ساتھ متعلق ہوں۔ بلکہ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ فضلاء دینی علمی قابلیتوں سے عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو منظم کیا جائے تاکہ زیادہ مؤثر ثابت ہوسکیں

خدمات دارالعلوم کی ہمہ گیری اور وسعت جہاں تک مدارس کا تعلق ہے۔ کوئی قصبہ ایسا نہیں، جو ان سے خالی ہو۔ ان سو برس میں جتنی خدمت اس ادارے نے کی، کوئی نظیر اس کی نہیں۔ جہاں تک تصانیف کا تعلق ہے۔ ہزار ہا ہزار تصانیف اس جماعت کے مختلف مسائل پہ موجود ہیں۔ ایک حضرت تھانویؒ کو دیکھا جائے۔ تو ایک ہزار تصانیف اپنے ترکے میں چھوڑ گئے۔ ہر زبان میں تصانیف ہر علم میں ہر فن میں تصانیف موجود ہیں۔ نظم میں موجود ہیں۔ نثر میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہزار کے قریب مواعظ الگ چھوڑ گئے۔ کچھ چھپ گئے ہیں۔ کچھ باقی ہیں۔ گویا ایک

ایک فرد نے ایک ایک امت کے برابر کام کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مرید و متوسل ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے ہزارہا ہزاروں شاگرد، مریدین اور متوسلین ملک کے اطراف واکناف میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مریدین ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں الگ پھیلے ہوئے ہیں۔ سب اپنے اپنے رنگ میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ حدیث، فقہ، فتویٰ، تفسیر، عمل جہاد ہر میدان میں اس جماعت کے لوگ نمایاں آئیں گے۔

غرض یہ کہ ہزاروں لاکھوں افراد کے ایمان کو سنبھالے ہوئے ہیں کام سب سے بڑھ کر خدمت کے میدان میں تمام جماعتوں سے آگے اور زیادہ۔ ہر دیہات میں کوئی نہ کوئی فاضل موجود ہے شہرت نہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں نام نہیں۔ مگر ہزاروں کے ایمان کو سنبھالے اور خود بھی سنبھلے ہوئے ہیں۔ آج آپ کے اکوڑہ خٹک میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب سلمہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ہی شخصیت نے دارالعلوم قائم کیا۔ یہ ہزاروں لوگ علماء و مشائخ جو اس وقت یہاں دارالعلوم حقانیہ میں نظر آرہے ہیں۔ یہ ان کی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کی خدمت ہے۔ ایک شخص کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا دین وابستہ ہے۔ مگر رسمی طور پر اگر کسی نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند نے کیا خدمات انجام دئے ہیں۔ اس کے فارغین کیا کیا کام کر رہے ہیں۔ تو چونکہ انتشار ہے منتظم نہیں ہیں۔ تو صحیح خدمات آپ نہیں بتلا سکتے اگرچہ خدمتیں بیشمار ہیں۔ آپ اجمالاً بیس ہزار کی تعداد کہہ سکیں گے۔ مگر یہ معلوم نہ ہوگا۔ کہ ان بیس ہزار علماء و فضلاء نے کیا کام کر دکھایا۔ مورخ بھی اجمالاً ذکر کر دے گا۔ مگر تفصیلی طور سے اسے کچھ معلوم نہ ہوگا۔ دنیا کو اجمالاً بھی پتہ نہ چل سکے گا۔

خدمات اور کارناموں کی ضبط و تنظیم | لہٰذا اسی مقصد کے لئے شعبۂ تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم کا بنیاد رکھا گیا۔ تاکہ دارالعلوم کے روحانی ذریت کے کارنامے منضبط ہوسکیں۔ مقصد خدمات کی تنظیم ہے۔ افراد کی تنظیم نہیں۔ اس کے لئے ایک فارم تیار کیا گیا جس کی سرخیاں میں نے خود لکھیں۔ کہ ہر فاضل اس کی خانہ پری کر کے بھیج دے۔ اس کے مدت فراغت۔ اور کہاں اقامت ہے۔ تصنیف وتالیف کے کیا اور کون سے کام کئے۔ جائے سکونت اور بیعت وارشاد کے بارے میں سوالات لکھے گئے۔ الحمدللہ کہ ڈھائی تین ہزار فارم پر ہو کر آگئے۔ اور یہ خدمات اور کارنامے اگر کتابی شکل میں شائع ہو گئے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان حضرات نے دنیا کو دین وایمان سے بھر دیا ہے۔ اور پھر ان حضرات کے وعظ وارشاد، تعلیم وتبلیغ سے اور ہزاروں متکلم خطیب شیخ طریقت، واعظ مبلغ تیار ہوئے۔

اب اسی مقصد کے لئے یہ ارادہ کیا جارہا ہے کہ ماہنامہ دار العلوم کے چار صفحات اسی غرض کے لئے مخصوص کر دئے جائیں۔ کہ ان میں دار العلوم کے فضلاء کا ذکر ہو۔ سن وار ان کے حالات اور کارنامے بیان کر دئے جائیں۔ یہ دین اور علم دین اور علماء کی ایک عظیم الشان تاریخ ہوگی۔ دار العلوم اس چار دیواری کا نام نہیں۔ اس تمام نظام، مسلک تحریک اور خدمات کا نام ہے۔ جو ہند و بیرون ہند میں قائم ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا حبیب الرحمان صاحب سے ذکر کیا کہ بریلی میں ایک مدرس ہیں۔ جو دار العلوم کے نمایاں فاضل ہیں۔ اسے دار العلوم میں بلالیں۔ مولانا خاموش رہے۔ چپ ہوگئے تین دفعہ عرض کیا گیا، پھر عرض کیا۔ کہ آپ کیوں رکاوٹ کرتے ہیں۔ فرمایا: ان کو بلانا غلط ہے۔ اس لئے کہ جو فاضل جہاں بیٹھا ہے۔ وہاں دار العلوم دیوبند قائم ہے۔ اسی طرح گویا ہر شہر و قصبہ میں دار العلوم قائم ہے۔ یہ دار العلوم دیوبند کی وسعت ہے۔ اور آپ فاضل کو بلاکر دار العلوم کے دائرے کو سمیٹ کر محدود کر رہے ہیں۔ اور میں سمیٹنا نہیں چاہتا۔ یہ ساری روحانی اولاد اسی دار العلوم کی ذریت ہے۔ کسی کا ایک بچہ رہ جاتا ہے کسی کے دو کسی کے تین۔ دار العلوم کے لاکھوں بیٹے ہیں۔ لاتعداد اولاد ہے۔ اور جائز اولاد ہے، اعمال ہیں، علوم ہیں، معارف ہیں۔ جو انبیاء کا ترکہ ہوتا ہے۔ اور اس ترکہ میں ہر ایک کو بقدر ظرف حصہ ملا ہے۔

مولانا رفیع الدینؒ کا کشفی اور الہامی خواب | حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ جو دار العلوم کے مہتمم اور امی محض تھے، منقطع عن الخلائق صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے بلاکر مجبور کیا۔ دار العلوم کے اہتمام کے لئے، فرمایا: میں تو محض امی ہوں۔ نہ لکھنا جانتا ہوں، نہ پڑھنا۔ فرمایا اس کا تعلق لکھنے پڑھنے سے نہیں۔ بلکہ قلب سے اس چیز کا تعلق ہے۔ چنانچہ مولانا اہتمام کے لئے بیٹھ جاتے۔ اور جو کچھ لکھواتے، لکھ دیا جاتا۔ اور اس پر مولانا کی مہر لگالی جاتی تھی۔ بہرحال حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ ادارہ بڑا ہے۔ میں اس ذمہ داری کو کس طرح سنبھال سکوں گا۔ اور اتنا تحمل کس طرح کر سکوں گا۔ اس واقعہ سے پہلے ان کا ایک، اور واقعہ سنیئے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے اہتمام کے زمانے میں دار العلوم میں پچاس ساٹھ طالب علم تھے۔ جو بیس پچیس طلبہ مطبخ سے کھانا لیتے تھے۔ یہ کل کائنات تھی۔ حضرت مولانا دار العلوم کے احاطہ مولسری میں کھڑے تھے۔ ایک طالب علم شوربہ کا پیالہ لایا اور غصہ سے مولانا کے سامنے پٹک دیا، اور کہا: کہ یہ سالن ہے یا پانی ہے۔ یہ کھانا مطبخ سے کھلاتے ہو۔ بے ادبی کے الفاظ بھی استعمال کئے۔ کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام۔ مولانا نے تین مرتبہ سر سے پاؤں تک اس طالب علم کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ یہ مدرسہ کا طالب علم نہیں، لوگوں نے کہا، مدرسہ کا طالب علم ہے۔ یہاں مقیم ہے۔ مطبخ سے کھانا لیتا ہے۔ فرمایا: کچھ بھی ہو، مدرسہ کا طالب العلم نہیں۔ طلبہ چپ رہے۔ دو تین

دن کے بعد تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعی مدرسہ کا طالب العلم نہیں تھا۔ اس نام سے دھوکہ دیکر مدرسہ سے کھانا لینے داخل ہوا تھا۔ طلبہ نے آپ سے پوچھا۔ حضرت آپ کو کس طرح معلوم ہوا، کہ مدرسہ کا طالب علم نہیں۔ فرمایا: کہ جب مدرسہ کا اہتمام میرے سپرد ہوا، پریشانی تھی، کہ کس طرح یہ کام سنبھالوں گا۔ اسی عالم میں رات کو خواب دیکھا۔ صاحب دل اور عارف ربانی تھے۔ اور صاحب دل کا خواب، آدھا خواب اور آدھا کشف ہوتا ہے۔

خواب میں دارالعلوم کا صورت مثالی | تو فرمایا کہ میں نے مونسری (دارالعلوم کا ایک احاطہ) کے کنوئیں کو دیکھا، کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے منّ پر بیٹھ کر دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ کسی کو لوٹا بھر کر دے رہے ہیں، کسی کو دیگ میں، کسی کو بالٹی میں مل رہا ہے۔ اور کوئی پیالہ بھر رہا ہے۔ اور جس کے پاس برتن نہیں، تو چلو میں ہی پی کے چلا گیا۔ اپنے اپنے ظرف کے مطابق لوگ دودھ بھر کے لے جا رہے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد ہے، آنکھ کھل گئی، تو میں نے مراقبہ کیا، تعبیر کے لئے۔ منکشف ہوا کہ یہ کنواں صورت مثالی ہے دارالعلوم دیوبند کا۔ اور یہ دودھ صورت مثالی ہے علم کی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صورت مثالی ہیں قاسم العلم کی۔ جو تقسیم کر رہے ہیں علم کی۔ اور یہ لے جانے والے طلبہ ہیں، جو بقدر ظرف لیتے جا رہے ہیں۔ اب اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا: کہ جب شوال کا داخلہ ہوتا ہے، تو میں فوراً طلبہ کو پہچان جاتا ہوں، کہ یہ طلبہ کے اس مجمع میں موجود تھا۔ اب جب یہ طالب العلم آیا۔ تو میں نے اوپر سے نیچے تک اس پر نگاہ ڈالی۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ اس مجمع میں نہیں تھا۔

طلبہ دارالعلوم کا انتخاب بھی خدائی ہوتا ہے | الہامی طریقہ سے اس کا علم ہوا۔ معلوم ہوا کہ دارالعلوم کے طلبہ کا انتخاب بھی خدا کیطرف سے ہوتا ہے۔ جہاں بھی کام کرتے ہیں۔ غالب آتے ہیں۔ غلبہ پہ ایک واقعہ یاد آیا۔ مولانا تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں چودہ طالب العلم دورۂ حدیث میں تھے۔ دستار بندی کی تجویز ہوئی۔ یہ دارالعلوم کا دوسرا جلسہ تھا۔ ہمیں بھی پگڑی باندھنے کا ارادہ کیا گیا۔ تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا۔ کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ ہم امیوں کو پگڑی بندھوائی جائے گی۔ اور ہم اہل نہیں۔ جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی۔ غرض ان چودہ طالب علموں نے مولانا تھانوی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ کہ جا کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب دارالعلوم کے اوّل مدرس تھے۔ حضرت تھانوی جب ان کی خدمت میں پہنچے، تو مولانا محمد یعقوب صاحب مطالعہ کر رہے تھے، کتابوں کا۔ حضرت تھانوی نے

ہیئت بھی اس وقت کی تبلادی کہ میں جب حجرہ میں پہنچ گیا۔ تو ڈسک پہ کتاب رکھی ٹیک لگائے تھے۔
اور بہت گہرے طریقے سے مطالعہ کر رہے تھے۔ کتابوں کا ـــ نگاہ اٹھائی۔ اُن کا رُعب اتنا تھا۔ کہ
ہر ایک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پوچھا۔ خیر تو ہے۔ کیسے آنا ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: کہ میں نے
درخواست پیش کی کہ دیوبند میں جلسۂ دستار بندی ہو رہا ہے۔ اگر یہ حکم ہو تو تعمیل سے انکار نہیں۔ اور اگر
کہنے کا موقع ہو، تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں۔ نالائق ہیں۔ پورا مدرسہ اور ہمارے اکابرؒ
واساتذہ بدنام ہو جائیں گے۔ جلسہ روک دیا جائے۔ اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ ہٹایا جائے۔
ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیوب پر پردہ ڈالا جائے۔ یہ سنکر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جوش
رحمت آیا۔ فرمایا: یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادتمندی کی علامت ہے۔

طلبۂ دارالعلوم کی کامیابی وکامرانی | اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آجائے تو یہ اس کی کمال و
فضیلت اور سعادتمندی کی دلیل ہے۔ اور ہم جو یہ جلسہ کریں گے۔ تو وہاں اعلان کریں گے۔ کہ فیما بیننا
وبین اللہ۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں، قابل ہیں۔ اور جس کی مرضی ہو،
ان کا کسی فن میں بھی امتحان لے لیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے، کہ آئے تھے،
جلسہ رکوانے کے لئے اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہا گیا۔ بہرحال ہم وہاں سے چلے گئے۔ جاتے وقت
حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے ایک جملہ فرمایا: کہ دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے۔ جہاں بھی تم جاؤ
گے۔ وہاں تم ہی تم ہو گے۔ تمہارا ہی غلبہ ہوگا۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ ہم نے تجربہ کیا۔ کہ جہاں گئے۔ ہمیں ہم نظر آئے، جہاں گئے غالب
ہی غالب رہے۔ کیونکہ حق ہی کو غلبہ ہے۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ غالبیت کے لئے حق ہے۔ اور
مغلوبیت کے لئے باطل ہے۔

بہرحال یہ ہے فضلاء دیوبند کی تنظیم جو دراصل خدمات کی تنظیم ہے۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ
ہے کہ کچھ خدمات مرکز کی ہیں۔ کچھ فضلاء کی حلقوں کے سامنے خدمات ہیں۔ اس واسطے بھی تنظیم ہونی چاہئے

تنظیم کے فوائد | کہ مرکز کو فضلاء کے خدمات کا پتہ لگے۔ اور فضلاء کو مرکز کے خدمات سامنے
آتے رہیں۔ اگر فضلاء کو کسی مدد کی ضرورت وحاجت ہو۔ تو ادھر مرکز کو پتہ لگے۔ اور اس کے لئے سوچے
اور مرکز کے ضرورتوں کا علم فضلاء کو ہو۔ غرض جانبین سے ایک رابطہ قائم رہے گا۔ ہندوستان میں دیکھا
گیا۔ کہ فتنے اٹھتے ہیں۔ علمی فتنے، عملی فتنے ہر قسم فتنے اٹھتے ہیں۔ فضلاء دیوبند نے مقامی طور پر ان فتنوں
کا مقابلہ کیا۔ اور ان فتنوں کو مغلوب کیا۔ مرکز کو پتہ نہیں کہ فضلاء نے کیا خدمات انجام دیں۔ اور فضلاء کو

یہ شکایت رہتی ہے۔ کہ ہم بڑے بڑے کام کر رہے ہیں۔ لیکن مرکز ہماری خبر نہیں لیتا۔ ہمارا تحسین نہیں کرتا۔ تو اس غرض سے تنظیم کا سلسلہ قائم کیا گیا۔ کہ اگر ضرورت پڑے گی۔ تو آپس میں اجتماعی آواز ہوگا۔ ان کی حمایت میں آواز اٹھے گی۔ یا مرکز کوئی شخص ان کی امداد کیلئے بھیج سکے گا۔ جماعتی آواز کا اثر اور طاقت ہوگا۔ دین کا فائدہ ہوگا۔ قوم کو فائدہ ہوگا۔ تو یہ تنظیم خدمات کا ہے۔ افراد کا نہیں۔ اس صورت میں خدمات زندہ جاوید رہیں گی۔ منظم ہونا قوم کو ہر حیثیت سے مفید رہے گا۔ باہمی تعاون جاری رہے گا۔ خدمات کا انضباط کیا جاسکے گا کہ کہاں کہاں اور کیا کیا خدمات انجام دی جارہی ہیں۔ اس کی ضرورت اس وجہ سے بھی پیش آئی۔ کہ مختلف جگہوں پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے دعوے بڑے بڑے کئے۔ اور کام بہت تھوڑا کیا۔ یا بالکل نہیں کیا۔ معمولی خدمات مگر نمائش زیادہ۔ ہمارے ہاں کام ہوتا ہے۔ مگر نہ اخبارات نہ اشتہارات۔ اور دعوٰی یہ لوگ کرتے ہیں، کہ ہند ملک کو ہم نے سنبھالا ہے۔ ہمارے اکابرؒ کے ہاں کام ہے۔ نام نہیں۔ نام نہیں۔ پروپیگنڈہ نہیں۔ لوگ چھوٹے چھوٹے خدمات اخبارات میں دیتے ہیں۔ میں سوچا کرتا ہوں کہ دارالعلوم میں روزانہ جلسے ہوتے ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ جتنے لوگ اشتہارات منصوبوں اور پروگرام کے بعد کسی جلسے میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں بلا کسی منصوبہ آئے دن اتنے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں۔ مگر پروپیگنڈہ بہت ہے۔ کام کے درجہ میں صفر ہوتے ہیں۔ کئی لوگ۔ دارالعلوم کو جاننے والے نہیں کہ کیا خدمتیں انجام دیں۔ اس تنظیم میں ایک فائدہ یہ بھی ہوگا۔ کہ مرکز میں بھی انبساط ہوگا۔ اور فضلاء کا دل الگ بڑھے گا۔ خدمتیں نمایاں ہوکر آئیں گی، اور بھی کئی قسم کے فوائد ہیں۔ یہ صورت پیش آئی۔ کہ تنظیم ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے کچھ قواعد و ضوابط منضبط کئے گئے۔ تنظیم کو صوبہ وار پھر ضلع وار رکھا گیا۔ کہ فضلاء دارالعلوم علاقہ وار جمع ہوکر ایک کو ذمہ دار مقرر کریں۔ صدر نائبین سیکرٹری منتخب کریں۔ یہ خیال زیادہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوا کہ اکابرؒ نے ارادہ کیا، ایک جلسہ دستاربندی کا بھی ہو جائے۔ تقریباً پچاس برس سے جلسہ دستاربندی نہیں ہوا۔ ۱۳۲۸ھ سے لیکر اب تک درج رجسٹرڈ فضلاء کی تعداد چھ ہزار تک ہے۔ ان چھ ہزار علماء کی دستاربندی کرائی جائے۔ اس واسطے اشتہارات جاری کئے گئے۔ ایک مستقل دفتر قائم کیا گیا۔ کہ اس تنظیم کے نظم و نسق کو سدھیں ترتیب دیں۔ اس کے اعلانات جاری کئے گئے۔ تو ملک میں اس کا شہرہ ہوا۔ ملک میں اس کا شدید انتظار ہے۔ بیرونی ممالک کے لوگ بھی منتظر ہیں۔ کیونکہ ان میں حجازی بھی ہیں۔ الیشیاء۔ سماٹرا، ملایا، چینی، ترکستانی، الیسٹ افریقہ، افغانستان کے فضلاء ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ تو ہزاروں کی تعداد میں جب جلسہ ہوگا۔ تو ایسے صورت میں گورنمنٹ کے سامنے ویزوں کیلئے

درخواست دینی ہوگی۔ متعلقہ حکومتوں سے اجازت لینی ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ مصارف کا تخمینہ اور ساتھ ہی ساتھ آمدنی کا اندازہ وغیرہ اہم امور ہیں۔ کیونکہ حاضرین کا اندازہ ڈیڑھ دو لاکھ سے کم نہ ہوگا۔ پورے ملک میں انتظار ہوگا۔ ہم لوگ اس پریشانی میں مبتلا ہیں۔ کہ دیوبند کی آبادی تیس ہزار ہے۔ اور اگر دو لاکھ آدمی آجائیں۔ تو اس مختصر آبادی میں کس طرح سما سکیں گے، کہاں بسیں گے۔ ہر ایک فاضل کو پگڑی باندھنی ہوگی۔ اور اگر دس روپے قیمت فی پگڑی ہو، تب بھی پچاس ساٹھ ہزار روپے صرف پگڑیوں کے مصارف ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی آسان ہو جائے۔ تو اس کے باندھنے کا مسئلہ ہے۔ کل یہاں (دارالعلوم حقانیہ میں) ۳۰۔ ۳۵ طلبہ کو پگڑی بندھوانی تھی۔ تو بڈھے بزرگ تھک گئے۔ ہاتھ تھک گئے۔ مگر ختم نہیں ہو رہے تھے۔ تو یہ تقریباً پانچ ہزار پگڑیاں باندھنا آسان کام نہیں۔ کل دستار بندی کے وقت ہمارے مولانا عبدالحنان صاحبؒ (ہزاروی) نے تو خوب جملہ چسپاں کیا کہ یہ پگڑیاں ہیں، یا سوٹا بازی ہے۔ میں نے کہا کہ پگڑیاں بھی کلف دار ہیں۔ اور باندھنے والے بھی مکلف ہیں۔ اور پگڑیاں بھی ذرا مکلف ہونی چاہئیں۔ کلف لگا ہوا ہو۔ یہ بھی ضرورت ہے کہ اس وقت پیچ و خم نہ ہو۔ بلکہ پہلے سے باندھ کر رکھ دئے جائیں۔ (یہ جملے حضرت نے مزاحاً فرمائے)

خیر ان حالات کی وجہ سے یہ جلسہ نہیں ہو سکا۔ مجلس شوریٰ میں یہ بھی بحث میں آیا۔ کہ دارالعلوم کے سو سال پورا کرنے میں ایک سال باقی ہے۔ تو پورا ہونے پر سو سالہ جشن منایا جائے بہر حال منصوبہ ہے۔ تجویز ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور امداد پر منحصر ہے۔ وسائل جمع کرنے کے لئے سوچ رہے ہیں۔ کہ ہند و بیرون ہند کے دو ڈھائی لاکھ افراد جمع ہو سکیں۔ اور انعقاد کیا جا سکے۔ یہ تنظیم کی غرض و غایت ہے۔ یہ چند باتیں تنظیم کے بارے میں ذکر کئے گئے۔ یہاں آج اس مجلس میں اس صوبہ کے فضلاء اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ مقاصد پر غور کیا جائے۔ میں تو دیکھ کر خوش ہونے والوں میں ہوں گا۔ اب کام کرنا ان حضرات کو ہوگا۔ کام آپ حضرات ہی کا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

عقیدۂ حیات و نزولِ عیسیٰ ابن مریمؑ

قرآن و سنت کی روشنی میں

قادیان کے خودساختہ مسیح موعود کے دجل وتلبیس کا محاسبہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کو اٹھایا جانا اور اس وقت زندہ ہونا اور آخری زمانے میں زمین پر نزول فرمانا۔ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے لے کر اب تک اسلام کے تمام فرقے اسی پر متفق چلے آتے ہیں۔ اور اسلامی فرقوں میں اس عقیدے کے متعلق کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا حالانکہ دیگر بیسیوں اعتقادی مسائل میں اختلاف موجود رہا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو اس قدر واضح اور صاف کیا گیا ہے کہ جس کو اسلام کے ساتھ معمولی تعلق بھی ہو وہ اس مسئلہ میں اختلاف کا روادار نہیں۔ اور اسلام اور مسئلہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کو لازم و ملزوم سمجھتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ تسلیم اسلام کے ساتھ اس مسئلہ کا انکار قطعاً جمع نہیں ہو سکتا۔

تفسیر بحر المحیط ج ۲ ص ۴۷۳ میں امام ابن عطیہ سے اجماع کے الفاظ منقول ہیں۔

حَیَاتُ الْمَسِیْحِ بِجِسْمِہٖ اِلَی الْیَوْمِ وَنُزُوْلُہٗ مِنَ السَّمَاءِ بِجِسْمِہِ الْعُنْصُرِیِّ مِمَّا اَجْمَعَ عَلَیْہِ الْاُمَّۃُ وَتَوَاتَرَ بِہِ الْاَحَادِیْثُ۔	حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم کے ساتھ اس وقت تک زندہ ہونا اور جسم عنصری کے ساتھ آسمان سے اترکر آنا ایسا عقیدہ ہے جس پر پوری امت کا اتفاق ہے اور پیغمبرؐ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

تفسیر جامع البیان میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے تحت تفسیر و جیز سے نقل کیا گیا ہے۔

وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی اَنَّہٗ حَیٌّ فِی السَّمَاءِ یَنْزِلُ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ	اس پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، اتریں گے، دجال کو قتل

وَيُؤَيِّدُ الدِّيْنَ ۔ کریں گے اور دین اسلام کو مضبوط کریں گے ۔
اسی طرح امام شوکانی کے رسالہ التوضیح فیما تواتر فی المنتظر والدجال والمسیح
اور امام سیوطی کے الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام ۔ میں تواتر اور اجماع مذکور ہے ۔
مسیح الکرامۃ صفحہ ۲۳۲ میں امام شوکانی کی انتیس ۲۹ احادیث دربارہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے
بعد تواتر اور اجماع کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر کتاب الطلاق میں لکھا ہے ،
الاجماع على انه رفع ببدنه حيا ۔ کہ اس پر اجماع ہے کہ وہ بدن کے ساتھ زندہ اٹھائے
گئے ہیں ۔ اسی طرح فتح الباری میں ذکر ادریسؑ کے سلسلہ میں حضرت مسیحؑ کے نزول پر اجماع منقول ہے ۔
اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں تواتر نزول کی صراحت کی گئی ہے ۔ اسی طرح :-

۱ ۔ مرزا غلام احمد نے براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۹ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے اور دوبارہ آنے کی تصریح کی ہے ۔ اور یہ کتاب اس کے اقرار کے مطابق اس وقت لکھی گئی تھی کہ وہ بزعم خود نبی تھا ۔
(دیکھو ایام الصلح صفحہ ۷۵)

۲ ۔ مرزا غلام احمد براہین احمدیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۵ میں وان عدتم عدنا ۔ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس میں مسیح کے جلالی طور پر آنے کا اشارہ ہے ۔ اگر رمزی قبول نہ کرو گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام جلالت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے ۔ اور جلالِ الٰہی گمراہی کو نیست و نابود کر دے گا ۔ میرا زمانہ اس زمانہ کے لئے بطور ارہاص واقعہ ہوا ہے ۔

۳ ۔ مرزا غلام احمد هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ کی تفسیر براہین صفحہ ۴۹۹ میں یوں ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا ۔

۴ ۔ ازالہ اوہام صفحہ ۲۲۵ پر مرزا غلام احمد لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عمر کو قتل سے منع کیا ، اور فرمایا اگر یہی دجال ہے تو اس کا صاحب عیسیٰ بن مریم ہے ، جو اس کو قتل کرے گا ہم اسے قتل نہیں کر سکتے ۔

حیات و نزولِ مسیح کے مسئلہ پر ہم مختصراً قرآنی ، حدیثی ، تاریخی ، اور عقلی حیثیت سے روشنی ڈالیں گے ، اجماعی حیثیت سے ہم نے مسئلہ پر روشنی ڈال دی ہے ۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام قرآنی روشنی میں ۱ ۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ
خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ط (آل عمران آیۃ ۵۴) یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی اور اللہ

نے ان کو بچانے کی تدبیر کی۔ اللہ کی تدبیر سب تدبیر کرنے والوں کی تدبیر سے بہتر ہے۔ مرزا صاحب نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا۔ یہودیوں نے حضرت مسیح کے لئے قتل و صلیب کا حیلہ سوچا تھا خدا نے مسیح کو وعدہ دیا اور کہا کہ تیرا اپنی طرف رفع کروں گا۔ (اربعین جلد ۳ صفحہ ۱)۔ پھر آئینہ کمالات صفحہ ۴۲ و صفحہ ۴۶ میں لکھتے ہیں کہ وعدے کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ وعدہ جلد پورا ہونے والا ہے۔ پھر مرزا صاحب ازالہ اوہام صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ پھر بعد اس کے ان کے (یہود) کے حوالے کیا گیا۔ تازیانے لگائے گئے۔ گالیاں سننا، طمانچے کھانا، ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑائے جانا اس نے دیکھا۔ آخر صلیب پر چڑھا دیا۔ آیت مذکورہ کی مرزائی تفسیر نہ صرف یہ کہ بے دلیل اور تحریف ہے، خود ایک عظیم بہتان اور ذات خداوندی کی شان کے بھی خلاف ہے۔ بقول مرزا یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی اور اللہ نے بچانے کی۔ پھر یہود نے اس کو تازیانے بھی لگائے گالیاں بھی دیں، ٹھٹھا اور تمسخر بھی اڑایا، سولی پر بھی چڑھایا۔ پھر بھی قرآن نے یہ کہا کہ واللہ خیر الماکرین ہے اور اس کی تدبیر بہتر و کامیاب رہی۔ اگر مرزائی تحریف کے اس خود ساختہ شوشے کو بھی مان لیا جائے کہ سولی پر اتارنے سے یہود نے اس کو مردہ سمجھا لیکن اس کی آخری رمق باقی تھی اور علاج سے اچھے ہوئے پھر کشمیر جا کر بہت مدت کے بعد طبعی موت سے مر گئے، تو بھی موت کے وقوع کی راہ میں یہود کی غلط فہمی آڑے آگئی، نہ کوئی خرق عادت کارنامہ۔ آیت مذکورہ کی روح اللہ کی حفاظتی تدبیر کا یہودی تدبیر سے موازنہ کر کے اللہ کی تدبیر کی پوری کامیابی اور عظمت کا بیان کرنا مقصود ہے، لیکن مرزائی تفسیر کے تحت اس وعدہ الٰہی کے باوجود یہود نامسعود حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ سب کچھ کر چکے۔ لیکن پھر بھی بقول مرزا تدبیر اور وعدہ الٰہی بلند اور کامیاب رہا۔ اس طرح مرزا نے حضرت مسیح اور خدائے قرآن دونوں کی یہود کے مقابلے میں توہین اور تذلیل کی۔ اگر دماغ میں کجی اور الحاد نہ ہو تو آیت کا مطلب صاف ہے کہ یہود نے حضرت مسیح کے خلاف تدبیر کی کہ ان کو بے عزت کر کے سولی پر چڑھا دیا جائے، لیکن اللہ کی تدبیر بچانے کی تھی، لہٰذا اللہ کی تدبیر غالب رہی کہ اللہ نے اس کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اور یہود اس کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ تقریباً چودہ سو سال سے قرآنی علوم کے ماہرین صحابہ و تابعین وغیرہ نے یہی مطلب سمجھا لیکن چودھویں صدی میں مسیحیت کی دوکان چلانے والے نے یہ نامعقول مطلب تراشا۔

۲۔ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ	جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا تجھ کو اپنی طرف اور

اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ط (آل عمران: ۵۵)

پاک کر دوں گا تجھ کو کافروں سے اور رکھوں گا ان کو جو تیرے تابع ہیں غالب ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری طرف تم سب کو آنا ہے۔ پھر میں فیصلہ کر دوں گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

توفّی کے متعلق کلیات ابی البقاء میں ہے۔

اَلتَّوَفِّیْ الْاِمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْهِ اسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ وَالْاِسْتِیْفَاءُ وَاَخْذُ الْحَقِّ وَ عَلَیْهِ اسْتِعْمَالُ الْبُلَغَاءِ۔

یعنی توفّی کا لفظ عوام کے ہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی پورا وصال کرنا اور ٹھیک لینا ہے۔

گویا ان کے نزدیک موت پر توفّی کا اطلاق اس حیثیت سے ہے کہ اس میں کسی خاص عضو سے نہیں بلکہ پورے بدن سے جان لی جاتی ہے۔ تو اگر خدا نے کسی کی جان بدن سمیت لی تو اس پر توفّی کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا۔ اور روح مع البدن لینا توفّی کے مفہوم میں داخل ہے۔ عام طور پر چونکہ روح بدن کے بغیر لی جاتی ہے۔ اس لئے موت پر توفّی کا اطلاق کثرت سے آیا اور یہاں یہ راز ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی حالت چونکہ عام حالات سے مختلف تھی اس لئے اہم ترین ضرورت کے موقع پر بھی اللہ نے عیسیٰ علیہ السّلام کے حق موت کا اطلاق نہیں کیا بلکہ توفّی کا کیا جو قبض روح اور قبض روح مع البدن دونوں کو شامل ہے۔ یہ غلط ہے کہ فاعل اگر خدا ہو اور مفعول ذی روح ہو۔ تو توفّی موت کے معنی میں ہوگا۔ بالفرض اگر موت کے معنی میں ہو تو ضحاک شاگرد ابن عباس نے معالم میں تقدم و تاخیر کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی متوفیک، میں تم کو موت دوں گا زمین پر اتارنے کے بعد۔ کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۔ط ۔ یہاں فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہے۔ پھر بھی نیند کی حالت کے متعلق فرمایا کہ اللہ جان لیتا ہے، موت کے وقت اور وہ جان بھی لیتا ہے، جو نیند کی حالت میں مری نہیں۔ یہاں نیند پر توفّی کا اطلاق آیا اور توفّی کو عدم موت کے ساتھ جمع کیا۔ اس حقیقت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

کے متعلق توفی کے لفظ میں موت کا معنی مراد نہیں بلکہ اٹھا لینے کا معنی مراد ہے۔ اور یہی معنی ابن عباس کا صحیح قول ہے، جو روح المعانی میں مذکور ہے اور مناسب حال عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی محاصرہ کے وقت جو پریشانی لاحق تھی وہ مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے تھی۔

۱۔ کہ میں یہود کی دست برد اور جور وستم سے بچ جاؤں گا یا نہیں۔ اس کے جواب میں یٰعیسیٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ ۔ میں تم کو لے لوں گا، اور دست برد سے بچا لوں گا جیسے وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ ط میں بنی اسرائیل کو تم تک پہنچنے سے روکوں گا۔

۲۔ دوسری یہ تشویش تھی کہ میرا بچانا زمین کے کسی حصہ میں ہوگا کہ ان کو میری طرف پہنچنے نہ دیا جائے گا، یا اور کوئی صورت ہوگی۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ میں تجھ کو اپنی طرف آسمان پر اٹھالوں گا

۳۔ اپنی والدہ اور خاندان کے حال سے مشوش تھے کہ وہ ان پر داغ لگاتے تھے۔ اس کے متعلق کیا انتظام ہوگا۔؟ اس کے متعلق فرمایا ؛ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۔ میں منکروں سے تم کو اور تمہاری والدہ اور تمہاری والدہ کو پاک کر دوں گا۔ چنانچہ اس کا انتظام قرآن اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی زبان سے کیا گیا کہ آپ اور آپکی والدہ کی زندگی بے داغ ہے۔

۴۔ کہ میرے اٹھائے جانے کے بعد میری اُمّت یا متبعین کا ان منکروں کے مقابلہ میں کیا حال ہوگا تو فرمایا : وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، کہ تیرے تابع تیرے منکروں پر غالب ہوں گے۔ یہ وعدہ آج بھی ایک حقیقت ہے۔ اسرائیل کا وجود اس وعدے پر اثر انداز نہیں کہ خود قرآن نے یہود کی ذلت اور مسکنت میں دو استثنائی صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ یہود اسلام لاکر اسلام کی پناہ میں آجائیں۔ دوم یہ کہ کسی قوم عیسائی کی پناہ میں آجائے۔ الا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ط یعنی ذلت اور مسکنت کی دو صورتیں مستثنائی ہیں، اسلام لاکر اللہ کی پناہ میں آجانا یا عیسائی قوم کی پناہ میں آنا۔ اسرائیل برطانیہ، امریکہ اور عیسائی اقوام کی پناہ کی وجہ سے موجود ہے ـــــــ جس کا استثناء خود قرآن نے کیا ہے۔ یہود کی قوت اور اقتدار عیسائیوں کے سہارے قائم ہے۔ لیکن مسلمانوں کا اقتدار عیسائیوں کے سہارے کا محتاج نہیں۔ خواہ امریکہ ہو یا روس۔ بلکہ خود آپس میں متحد ہوکر سامان قوت کی فراہمی کا محتاج ہے۔ کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا ط کے تحت نوّے کروڑ مسلمان ایک منظم بلاک بن جائے اور واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ۔ کے تحت سامان قوت کی تیاری میں لگ جائے اور اپنی خداداد مشترک دولت اس میں صرف کر دے تو مستقل عزت مسلمانوں کے لئے

باقی صفحہ ۳۹ پر

مولانا حکیم عبدالوہاب صاحب ظہوری
ریٹائرڈ پرنسپل نظامیہ طبّیہ کالج حیدرآباد (دکن)

قرآن مجید اور علم جنین
تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں

طب نبوی کو جن لوگوں نے اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کی قدر و منزلت کو کم کرنے کی کوشش کی ان میں سب سے پہلا نام اسلامی دور کے نامور مورخ ابن خلدون کا آتا ہے، جس نے اپنے مقدمہ تاریخ میں طب نبوی کو معیاری اور بلند پایہ تسلیم نہیں کیا، جس کی توجیہ اس طرح کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قوانین الٰہی کی تعلیم، روحانی اصلاح اور تزکیۂ نفس ہے۔ جسمانی علاج اور اس کے بارے میں معلومات فراہم کرنا مقصود نہیں تھا۔

مشرقی مفکرین پر ابن خلدون کی اس رائے زنی کا کوئی خاص اثر تو نہیں پڑا البتہ مغربی مفکرین جنہوں نے اسلامیات پر قلم اٹھایا اور تصنیف و تالیف کی ہے۔ جن کو مستشرقین کہا جاتا ہے۔ اسلام کے اس عظیم مورخ کی رائے کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے اور اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہیں، ان کی یہ کوشش و روش طب نبوی تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ انہوں نے قرآن حکیم کے ان بلیغ اشاروں اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ اصول کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھا جو انسانی تخلیق، تصور مرض و شفا اور قوانین صحت کے بارے میں جا بجا وارد ہوئے ہیں۔ یا تو انہوں نے اس کا سطحی مطالعہ کیا۔ اور اسکی گہرائیوں تک پہنچنے کی توفیق انہیں نہیں ہوئی۔ یا قرآن کی علمی و حکیمی قدروں کا اندازہ لگانے کے باوجود انہوں نے جان بوجھ کر اس کی عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی۔

ہم طبّ نبوی کے مقاصد اور قرآن حکیم کے بعض علمی و فنّی اشارات کی جدید تحقیقات کی روشنی میں تشریح کرنے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ ایک عام تمہیدی بیان میں قرآن حکیم کے اسلوب بیان اور بعثت نبوی کے اصل مقصد پر اجمالی بحث پیش کریں۔ تاکہ منصب رسالت اور طبّ نبوی کی حقیقی صورت اور قرآن مجید کے حکیمانہ اشارے کھل کر سامنے آجائیں۔

قرآنِ مجید کے بارے میں یہ مفروضہ غلط ہوگا کہ وہ کوئی طبعیات، فلسفہ، طب اور دیگر علومِ کونیہ کی کتاب ہے۔ پھر اس خیال کو ذہن میں سما کر اس طرح درپئے تفتیش ہونا بھی صحیح نہیں ہوگا کہ علمی مطالب و مباحث کے لئے قرآن میں مخصوص باب اور عنوان ہوں گے۔ بدقسمتی سے جن مفکرین نے اس مفروضہ و خیال کو ذہن میں رکھ کر علم و حکمت کے مسائل کو جدید ترتیب و اسلوب کے لحاظ سے قرآن مجید میں تلاش کیا۔ ان کو اپنے مقصد میں ناکام ہونا پڑا۔ نیز بعض آیاتِ کریمہ کی توجیہ و تعلیل بظاہر ان کے نظریات و مفروضات کے مغائر نظر آئی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ خالص مذہبی کتاب ہے۔ علم و حکمت کی باتیں اس میں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ معیارِ عقل پر پوری نہیں اترتیں۔

مذکورہ بالا ذہنیت رکھنے والوں کے روبرو یہ حقیقت واضح کی جاتی ہے کہ قرآن حکیم ان کے مفروضہ خیالات سے بالاتر کتاب ہے۔ اس کا طرزِ استدلال اور اسلوب بیان عام کتابوں سے جداگانہ ہے۔ یہ کتابِ الٰہی ہے، جس میں انسان اور کائنات کی حقیقت درج ہے۔ کہیں اجمالی شکل میں تو کہیں تفصیلی رنگ میں، عقلِ سلیم رکھنے والے ہی اس سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ کج فہموں اور کوتاہ بینوں پر اس کے اسرار و رموز وا نہیں ہوتے، اگرچہ اس میں ابواب و عنوانات کی شکل میں علوم و فنون کے بارے میں مباحث و مضامین درج نہیں ہیں، لیکن اگر انسان اپنے ذہن رسا اور فہم و بصیرت سے کام لیکر علم و حکمت کے بنیادی اصول کو قرآن کی تکوینی آیات میں دریافت کرنے کی سعی کرے اور قرآن فہمی کے ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے تحقیق و تفتیش کے درپے ہو تو وہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ فطرتِ انسانی کا کوئی گوشہ اور علومِ کونیہ مثلاً طب، نفسیات و طبیعات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں، جس پر قرآن حکیم نے اپنے بلیغ انداز میں روشنی نہ ڈالی ہو؟ ہم ذیل میں نمونے کے طور پر قرآن مجید کے طرزِ استدلال کو جو اس نے طب کے بعض علمی نظریات کو واشگاف کرنے کے لئے استعمال کیا ہے، پیش کرکے جدید تحقیقات کی روشنی میں ان کی تشریح کرتے ہیں۔

قرآن اور تخلیقِ انسان | قرآن حکیم نے انسان کو اپنی تخلیق کی ماہیت پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ	انسان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے
خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ	بنا۔ بنا وہ اچھلتے پانی سے جو پشت
مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ	اور سینہ کے مابین سے نکلتا ہے۔

(الطارق)

پھر خود ہی تخلیقی نکتہ کو نہایت جامع الفاظ میں اظہار کر دیا اور باقی تفصیلات ذہن انسانی کی جستجو پر چھوڑ دیں، چنانچہ دانشوروں نے اس نکتہ کو پالیا۔ نطفہ کی حقیقت اور منی کی اصلیت دریافت کر لی اور اس کا خوردبینی مشاہدہ کرکے اس کے خد و خال کو نمایاں کر دیا۔ جس کو ہم مختصراً ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

منی کی اصلیت | منی دراصل ننھے ننھے کیڑوں (حونیات) کا مجموعہ ہے۔ جن کو ننھے ننھے جوانڈے کے برابر کی دو گھٹلیاں ہیں اپنے مخصوص فعل کے ذریعہ خون کے اجزائے غذائیہ سے چھانٹ کر بنا لیتے ہیں۔ ہر حوین منوی ایک خلیہ ہے جس کا سر جسم اور دم ہوتی ہے۔ اس کا سر خلیہ کا نواۃ ہے، اس میں نہایت تیز حرکت ہوتی ہے۔ خوردبین سے دیکھنے پر باریک کیڑا یا جونک سا دکھائی دیتا ہے۔ انسان کے جسم سے باہر آنے کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔

خصیوں کیطرف جو خون روانہ ہوتا ہے، اس کو لانے والی دو باریک لمبی شریانیں ہیں جو اورطی سے نکلتی ہیں۔ یہ اورطی قلب سے نکلتی اور سینہ کے پیچھے سے ہوتی ہوئی تقریباً پشت کے آخری سرے تک پھیل جاتی ہے۔ پشت مہروں کا ایک سلسلہ ہے، اس طرح جو خون وارِ خصیہ ہوتا ہے وہ خصیوں کو غذا پہنچانے اور اس کے خلئے غذا حاصل کرنے کے بعد منقسم ہونے لگتا ہے، اور انقسام کے نتیجہ میں یہ حونیات منوی پیدا ہوتے ہیں۔ اور اوعیہ منویہ (منی کے دو کیسے) میں جمع رہتے اور قاذف نالی کے ذریعہ جماع کے وقت منی بہ ذریعہ انزال خارج ہو جاتی ہے۔ آیت میں ماء دافق سے مراد منی ہے۔ اور صلب و ترائب کو منی کی تولید و حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن اور علم الجنین | تخلیق انسان اور جنینی مرحلوں سے متعلق قرآن حکیم کی حسب ذیل آیات میں روشنی ڈالی گئی:

یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب	اے لوگو! اگر تم شبہ میں ہو، جی اٹھنے میں
من البعث فانا خلقنکم من تراب	تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر نطفہ سے،
ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم	پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت
من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ	کے لوتھڑے سے، کبھی پورا، کبھی ادھورا
لنبین لکم و نقر فی الارحام	تاکہ ہم کھول کر بتلادیں تم کو، اور ہم ٹھہراتے
ما نشاء الی اجل مسمی ثم	ہیں رحم میں جتنا ہم چاہیں ایک وقت تک
نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا	پھر نکالتے ہیں۔ تم کو بچہ بنا کر، پھر پہنچو اپنی
اشدکم الایہ۔ (الحج۔ آیۃ ۵)	جوانی کو۔

اس مضمون کو ایک اور مقام پر قدرے تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان من سللة	اور ہم نے بنایا انسان کو خلاصہ سے مٹی کے
من طین ثم جعلنه نطفة فی قرار	پھر رکھا ہم نے اس کو پانی کی بوند بنا کر ایک
مکین ثم خلقنا النطفة علقة	محفوظ ٹھکانے میں، پھر بنایا ہم نے نطفہ کو
فخلقنا المضغة عظما	خون جما ہوا، پھر بنایا اس کو گوشت کی بوٹی
فکسونا العظم لحما ثم انشأنٰه	پھر بنائیں اس بوٹی میں ہڈیاں پھر پہنایا ان
خلقا اخر فتبارک اللہ احسن	پر گوشت، پھر اٹھایا اس کو ایک نئی صورت
الخالقین ۔ (المومنون)	میں۔ پس بلند و بالا تر ہے، اللہ تعالیٰ جو بہتر

بنانے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں نطفہ۔ امشاج۔ قرار مکین۔ علقہ۔ مضغہ۔ عظام لحم وغیرہ، ایسے الفاظ و اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، جو جنینیات (علم الجنین) سے متعلق اور جنینی مرحلوں کیطرف رہنمائی کرتی ہیں۔

نطفہ| جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ انسان عورت کے اس بیضہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو مرد کی منی کے کیڑوں سے بار آور ہوا ہو۔ وہ نطفہ امشاج ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج ۔ (الدھر آیۃ) بیشک ہم نے بنایا انسان کو ملی جلی بوند سے۔

نطفہ کا اطلاق ہر کم و بیش سیال مادہ (ماء = پانی) پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح مرد کی منی نطفہ کہلاتی ہے، اسی طرح عورت کے بیضے جو بیضی کیسوں (بیضہ انثیٰ کا مقام) اور قاذف نالیوں کے افرازی سیال میں تیرتے رہتے ہیں نطفہ کہلاتے ہیں۔ امشاج سے مراد اخلاط (ملی جلی رطوبات) ہیں۔ حمل کے لئے مادۂ منی کا اس سیال کے ساتھ اختلاط ضروری ہے، جس میں بیضہ انثیٰ ہوا کرتا ہے۔

کسی کو یہ گمان نہ ہونا چاہئے کہ بیضہ دان سے جب بیضہ کا خروج ہوتا ہے، تو عورت کو اس کا احساس ہوتا ہوگا۔ اور وہ اس سے لذت پذیر ہوتی ہوگی۔ اسے تو اس کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ خالی آنکھ سے بیضہ انثیٰ کا دیکھنا ممکن نہیں، خواہ کتنے ہی بڑے جاندار خلیات ہوں، کیونکہ بیضہ کا قطر ۰۲ ۔ ملی میٹر ہوتا ہے۔ تکوینی مرحلوں کے دوران میں بیضہ انثیٰ تمام تر اپنی اندرونی جھلی میں منقسم ہوتا رہتا ہے۔ جوں جوں یہ بڑا ہوتا ہے، جھلی بھی بتدریج پھیلتی جاتی ہے۔

علقہ| قرآن مجید میں جس علقہ کا ذکر ہوا ہے، وہ پہلے جنینی مرحلہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ علقہ

بیشمار چھوٹے چھوٹے ہم شکل خلیوں مثلاً کریات دم (خون کے دانے) سے مرکب ہوتا ہے۔ اس کا کوئی جز ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا۔ یہ خلئے بار آوری کے بعد بیضہ کے تقسیم پذیر ہونے کے نتیجہ میں متعدد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خون کے لوتھڑے سے مشابہ نظر آتے ہیں۔ بالخصوص وہ جو خون کے سفید دانوں سے مرکب ہوتے ہیں۔ (منافع الاعضاء بلی برٹن مطبوعہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۱۰)

مضغہ | نطفہ جب علقہ بن جاتا ہے تو اس کے خلئے منقسم ہونے لگتے اور اس کے اجزاء ایک دوسرے سے جکڑ کر ممتاز ہو جاتے ہیں پہلے مہینہ کے آخر میں اس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اب یہ مضغہ کہلاتا ہے، کیونکہ یہ گوشت کی اس بوٹی کی مقدار میں ہوتا ہے، جو منہ میں چبائی جاتی ہے۔ اس کے بعض اجزاء بن چکے ہوتے ہیں، اور بعض ابھی ادھورے رہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی آیت میں مخلقہ وغیر مخلقہ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس مرحلہ میں بدن کے بالائی اور زیرین اطراف ظاہر ہوتے ہیں۔ قلب کا دایاں حصہ بائیں حصہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے مہینہ کے درمیانی ایام میں ہڈیوں کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔

ساتویں ہفتہ میں یعنی مذکورہ ہڈیوں کے نمودار ہونے کے بعد عضلات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ یہ ظہور ان خلیوں کے انقسام کی بدولت ہوتا ہے، جو ہڈیوں کے آس پاس ہوتے ہیں۔ یہاں ہڈیوں سے مراد وہ کڑیاں ہیں جو بعد میں ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

جب جنین کا نشو و نما مکمل ہو جاتا ہے تو وہ بچہ کی شکل میں رحم سے باہر نکل آتا ہے۔ اس کی حالت اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتا، پھر وہ رفتہ رفتہ ہر چیز سیکھ لیتا ہے یہاں تک کہ ایک دوسری مخلوق بن جاتا ہے۔ پہلے وہ ایک نادان سا بچہ تھا، اب بڑا ہو کر اپنی عقل و دانائی کے زور پر راز کے پردے چاک کر دیتا اور اپنی فکر و ادراک کے بل بوتے پر ملاء اعلیٰ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

قرآن کے پانچ جنینی ادوار | اوپر کے بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جو جنینی ادوار مذکور ہوئے ہیں، وہ حقیقت پر مبنی ہیں، جن میں ہم مذکورۂ بالا آیات کی روشنی میں بطور خلاصہ درج کرتے ہیں۔

دور نطفہ | نطفہ ایک سیال مادہ ہے، جو مرد کی منی اور اس سیال پر بولا جاتا ہے۔ جس میں بیضۂ انثیٰ تیرتا رہتا ہے۔ دراصل یہ سیال کیسۂ بیض اور قاذف کا فراز ہے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ اس دور میں حیوانات منوی بیضہ کے ساتھ ملاپ کھاتے ہیں۔ اس طرح نطفہ قرآنی اصطلاح میں امشاج

بن جاتا ہے۔

دور علقہ | اس مرحلہ میں بیضہ بارآور ہونے کے بعد متعدد ایک جیسے خلیوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور یہ سب خلئے باہم مل جل کر جمے ہوئے خون کا لوتھڑا (لوتھڑا) بن جاتے ہیں۔

دور مضغہ | یہ وہی بیضۂ انثیٰ ہے جو نشو و نما پاکر مقدار میں بڑھ گیا اور بوٹی کے برابر ہو گیا ہے۔ اس کے بعض اجزاء بن چکے ہیں، اور بعض ابھی زیر تکوین و تشکیل ہیں۔ یہ تخلیق و تکوین کا ابتدائی دور ہے۔

دور تکمیل | اس کا آغاز نرم اعضاء مثلاً عضلات کے ظہور سے ہوتا ہے، جو ہڈیوں پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ جنینی تکوین کی تکمیل پر ختم ہو جاتا ہے۔

مابعد ولادت دور تعلیم و تربیت | جس کو قرآن نے نئی صورت (خلقاً آخر) سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ جو انسان جانور سے بھی پست ترین درجہ میں تھا، اب وہ تمام زندہ مخلوقات سے زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا ہے، اسی لئے خالق کائنات نے فرمایا:

وقد خلقکم اطواراً۔ اس نے تمہیں کئی درجوں (حالتوں) میں پیدا کیا۔

جنین کے تین تاریک گوشے | جنین رحم کے اندر جن محفوظ اور بند مقامات میں پرورش پاتا ہے۔ انہیں قرآن نے ظلمات سے تعبیر کیا ہے۔

یخلقکم فی بطون امھاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمات ثلاث۔ پیدا کرتا ہے وہ تمہیں اپنی ماؤں کے پیٹ میں یکے بعد دیگرے گھپ اندھیروں میں۔

ظلمات سے مراد یا تو یہ تین مقامات ہیں۔ ۱۔ شکم ۲۔ رحم ۳۔ جنینی جھلیاں جو سیال امینوسی پر مشتمل ہوتی ہیں، یا ان تینوں گوشوں سے مراد یہ ہیں:

۱۔ مبیض (بیضہ دان) جس میں بیضہ ایک خاص کیسہ کے اندر تشکیل پاتا ہے۔

۲۔ قاذفین، جہاں بیضہ حیونیات منوی سے ملاپ کھا کر بارآور ہوتا ہے۔

۳۔ رحم، جہاں جنین بنتا ہے۔

ولادت کے دوران میں جنینی جھلیاں پھٹ جاتی ہیں اور ان کے اندر کا پانی بہنے لگتا ہے۔ اور اسی بہاؤ کے زور پر جنین رحم سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے یہ جھلیاں آنول سمیت نکل آتی ہیں۔ اور نیز رحم کی جھلیاں بھی ساقط ہو کر وضع حمل کے بعد از سر نو تشکیل پاتی ہیں۔ جنین ماں کے پیٹ میں نہ سانس لیتا ہے، اور نہ کھاتا پیتا ہے، بلکہ ضرورت کے مطابق صرف اپنی ماں کے خون سے غذا

حاصل کرلیتا ہے۔

حیض، ایک فاسد مادہ ہے۔

ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن۔ (البقرہ : آیت ۲۲۲)	لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے، تو حیض میں تم عورتوں سے علٰحدہ رہا کرو، اور ان سے قربت مت کیا کرو۔ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔

جنسی تعلقات کے بارے میں قرآن حکیم نے جو اصول مقرر کئے ہیں، اگر ان میں سے کسی کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کے مضر اثرات مرد اور عورت پر واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ حالت حیض میں عورت سے قربت کرنے سے جو عوارض لاحق ہوتے ہیں، ان کو طبی کتابوں میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نیز حیض کا مادہ فاسد ہونا جدید تحقیقات کی رُو سے صحیح ثابت ہو چکا ہے۔

جسم کے افرازات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو جسم کے افعال مثلاً ہضم یا تناسل کو باقاعدہ رکھنے میں کارآمد ہے، یعنی یہ ایسے اندرونی افرازات ہیں، جو جسمانی نظاموں اور ساختوں کے افعال کو منظم رکھتے ہیں، یہ قسم افراز داخلی یا باطنی (Secretion) سے موسوم ہے، یہ زندگی کے لئے ضروری اور کارآمد ہے۔ اس سے کسی قسم کا ضرر واقع نہیں ہوتا۔

دوسری قسم وہ ہے جو جسم کے لئے بیکار اور فاضل ہے، اور اس کا جسم سے خارج ہو جانا ضروری ہے، یہ ایسے سمی اور فاسد مادوں سے تشکیل پاتی ہے۔ جو اگر جسم میں باقی رہ جائیں تو نقصان کا باعث ہوں گے۔ اس کی مثال پیشاب، پاخانہ، پسینہ اور حیض وغیرہ ہے۔ اس قسم کا افراز خارجی (Excretion) کہتے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے انسان کو جو کہ اب تک افرازات کی کسی قسم سے واقف نہیں تھا، یہ تعلیم دی کہ حیض ایک فاسد مادہ ہے، اور وہ جسم کے لئے سود مند نہیں ہے۔

آیت کا دوسرا جزء "تم حیض میں عورتوں سے علٰحدہ رہا کرو۔" اصول صحت اور نفسیات کی رُو سے نہایت اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ داخلی گلٹیوں کے افرازات کے باعث اعضاء تناسل میں احتقان (گھٹن) کی کیفیت اور اعصاب میں اضطرابی حالت رونما ہو جاتی ہے۔

زمانۂ حیض میں جماع کو حرام قرار دینے کے اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔ زنانہ اعضاء تناسل کو جماع کے ذریعہ اس وقت برانگیختہ کرنے سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خون

رک جاتا ہے، جس سے عورت کی صحت بری طرح متاثر ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات یہ التہاب دونوں مبیضین کو سکیڑ دیتا اور بانجھ پن کا موجب ہو جاتا ہے، نیز ایسے وقت میں عورت کی خواہش جنسی کو ہوا دینا اس کے اندرونی اعضاء کے لئے ضرر رساں ہے۔ اس سے بعض اوقات التہاب رونما ہوجاتا ہے

۲۔ حیض کا مواد مرد کے قضیب کی نالی میں داخل ہوکر بعض اوقات اس میں التہاب اور بعض مرتبہ زخم پیدا کرتا ہے۔ یہ التہاب کبھی خصیوں تک پہنچ کر ان کو اذیت میں مبتلا کر دیتا اور نا اکثر اوقات اس سے مرد میں بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔

الحاصل حیض کی حالت میں مجامعت سے بعض اوقات مرد اور عورت میں بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے، اور ان دونوں کے اعضاء میں التہاب کا سبب بن جاتا ہے۔ جو ان کی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ انتہائی نقصان کیا کم ہے۔ اس لئے آجکل تمدن یافتہ ملکوں کے اطباء ایسے وقت میں جماع کی ممانعت کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم نے کئی صدیوں پہلے اس کو ممنوع قرار دیا۔ بلاشک و شبہ یہ مرد و عورت دونوں کے لئے اذیت کا باعث ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر امراض نسواں کے ماہرین حیض کے دوران میں اپنے مریضوں کا معائنہ نہیں کرتے۔ نیز وہ ایسی حالت میں جماع سے بھی پرہیز کرنے کا مشورہ دیتے ہیں،

حمل کی پہچان | جب تک تین مہینے کی مدّت نہ گذر جائے حمل کی تشخیص مبہم اور غیر یقینی سی ہے۔ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (البقرہ آیہ ۲۲۸)

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ تین مہینہ کی مدّت میں علامات حمل کا ظہور ہو جاتا ہے۔ یعنی حیض کا وجود نہ ہونا، معدہ میں بے چینی، شکم کے زیریں حصّہ کا بڑھ جانا، یہ استقرارِ حمل کی اہم علامات ہیں۔ تین مہینہ کی مدّت کے مقرر کرنے میں بڑی حکمت اور نکتہ رسی شامل ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے مہینہ میں حمل کا ثبوت فراہم کر دینا نہایت مشکل ہے، خواہ فن دایہ گری کے خصوصی ماہرین کتنا ہی زور ماریں اور ماہر کیمیا دان اپنی تجربہ گاہوں میں کتنی ہی چھان بین اور دقیقہ رسی کا مظاہرہ کریں حمل کی شناخت اس مدّت سے بہتر نہیں کر سکتے۔ ہاں مقررہ مدّت کے بعد حمل کے اعراض و علامات کا ایک عامی شخص بھی مشاہدہ کر لیتا ہے۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ ۔ (البقرۃ: آیۃ ۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں۔ یہ مدت اس کے لئے ہے، جو شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہیے۔

اس میں شک نہیں کہ طبی نقطۂ نظر سے ماں کا دودھ ہر قسم کے مصنوعی اور عام دودھ کی نسبت خواہ وہ ماں کے دودھ کے کتنے ہی مشابہ ہو، مناسب ترین غذا ہے، ماں جو بچہ کو دودھ پلاتی ہے۔ اس میں کئی اہم فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دودھ ماں کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بعض مادوں کا افراز ہے۔ جس کی افزائش اسی مقصد کے پیشِ نظر دوران حمل ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رضاعت بذات خود اعضائے تناسل کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔ بعض کے نزدیک عمل رضاعت حمل کی استعداد کو کم کر دیتا، اور فوری حمل کے استقرار کو جو عورت کی قوت کو توڑ دینے کا باعث ہے۔ روکے رکھتا ہے۔ مدت رضاعت کتنی ہے، یہ مسئلہ اکثر علماء کے درمیان موضوع بحث و نظر ہے۔ ہمیں اس میں غور کرتے وقت بچہ اور ماں کی صحت اور ان دونوں کے ماحول کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رضاعت کے لئے جو دو سال کی مدت مقرر کی گئی ہے، وہ اس کی انتہائی مدت ہے۔ اس کے بعد لازم ہو جاتا ہے کہ بچہ کو دوسری غذا دی جائے، جو دودھ کے علاوہ ہو۔ ▬▬

بقیہ: اسلامی معاشیات

جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے ان کے لئے مغفرت بھی ہے، اور عزت کی روزی بھی۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۔ (سبا - ۴)

تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت بھی ہے۔ اور عزت کی روزی بھی۔

اس کی روشن ترین مثال خلفاء راشدین کے دور کی ہے، اس معاشرہ کے لوگ اللہ تعالیٰ کے دین پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق کریم عطا فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور اقتدار میں تو مسلمانوں کی معاشی خوشحالی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ▬▬

مرتب : سمیع الحق

مرحوم مشاہیر کے خطوط
حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور ایڈیٹر الحق
کے نام

تبرکات و نوادر

مشاہیر علم وفضل کے مکتوبات

دارالعلوم اور الحق کے ریکارڈ میں مشاہیر علم وفضل کے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، ایسے خطوط کو دستبرد زمانہ سے محفوظ کرنے کیلئے الحق میں شائع کیا جاتا ہے۔ درمیان میں یہ سلسلہ کچھ کٹ گیا تھا، اب انشاء اللہ اسے جاری رکھا جائیگا۔ (ادارہ)

مولانا ابوالوفا افغانیؒ۔ دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن

جلال کوچہ ۴۶۵ حیدرآباد دکن ۲

دوشنبہ ۱۲ محرم ۱۳۸۹ھ

مولانا المحترم دام کرم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ آپ کا موقر مجلہ الحق رجب وشعبان کے اعداد اور اس کے بعد بھی تا ذی الحجہ متواتر موصول ہوتے رہے۔ آپ کی اس عنایت پر میں تہ دل سے شاکر ہوں ـــــ ماشاء اللہ بہت ہی علمی ومعیاری مجلہ ہے۔ اللہ تعالی آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ اسے دائم رکھیں اور قوم کو اس سے منفعت پہنچے۔ والسلام

(ابوالوفا)

حضرت خواجہ غلام نظام الدینؒ تونسویؒ

از تونسہ شریف

۱۲ر شعبان

فضیلت مآب شرافت نشان محترم من زاد لطفہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ آج ورود فرما ہوا۔ تونسہ شریف کی

بروز اتوار کے لحاظ سے آج شعبان کی ۱۲ ہے۔ یعنی عین جلسۂ دستار بندی[۴] طلباء کی تاریخ اور اگر وہاں
کی رویت یا کسی اور رویت کو بھی مدنظر رکھا جائے اور چاند سوموار کا شمار کیا جاوے۔ تو آج گیارہ ہے۔
اور کل ۱۲۔ تو کسی صورت میں بھی حاضر بروقت نہیں ہوسکتا۔ اور بعد وقت بے فائدہ، دعا ہے کہ خداوند
کریم اپنے فضل وکرم سے آپ کے دارالعلوم کو مدارج ترقی پر پہنچائے اور آپ حضرات کو دین کی خدمت
کی کما حقہٗ توفیق دے۔ دارالعلوم کی رونق میں چار چاند لگانے کا موجب بنائے۔ اور وہاں کے لوگوں اور
گردونواح والوں کو توفیق بخشے کہ وہ آپ کی ذات بابرکات اور فیضانِ مدرسہ سے زیادہ سے
زیادہ مستفید ہوں۔ آمین۔ جملہ اساتذہ کرام اور طلباء کو میرے محبت بھرے سلام عرض کریں۔
حضرت بادشاہ ؒ صاحب کی خدمت میں نیاز مندانہ سلام مسنون عرض کریں۔

خواجہ غلام نظام الدین محمودی سلیمانی
سجادہ نشین تونسہ شریف

جناب محترم محمد امین الحسنات ؒ[۵] مرحوم پیر صاحب مانکی شریف

از مانکی شریف
۱۹/۳/۵۷

مکرمی جناب مولانا عبدالحق صاحب
السلام علیکم۔ دعوت نامہ اجلاس میرے غیر موجودگی میں گاؤں پہنچ کر جب میں کراچی
سے واپس گاؤں پہنچا تو مجھے ملا، یاد آوری کا از حد ممنون ہوں، مجھے افسوس ہے کہ غیر موجودگی کی وجہ
سے حاضر نہ ہوسکا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد امین الحسنات
مانکی شریف

مکرمی جناب مولانا عبدالحق صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ:۔ خان لیاقت علی خان صاحب کا گرامی نامہ برائے ملاحظہ بھیج
رہا ہوں، جو موصوف نے ۹ر فروری ۱۹۴۸ء کو میرے نام لکھا ہے۔

مخلص محمد امین الحسنات
مانکی شریف

مکتوب جناب لیاقت علی خان مرحوم بنام حضرت پیر صاحب مانکی شریف مرحوم

کراچی — ۹ / فروری ۱۹۴۸ء

مخدومی و مکرمی پیر صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ اس میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ فرنٹیئر کے صوبہ میں اس چیز کا پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ میرے فرنٹیئر کے قیام کے دوران میں آپ نے وزیر بننے کی خواہش ظاہر کی پروپیگنڈہ بالکل بے بنیاد ہے۔ اور ان لوگوں کیطرف سے کیا جا رہا ہے۔ جو پاکستان کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے آپ کو معلوم ہے کہ جب وزارت بنائی جا رہی تھی تو آپ سے درخواست کی گئی تھی کہ آپ اس میں شریک ہوں اور وزارت کے عہدے کو قبول کریں۔ آپ نے اس وقت اپنی معذوری کا اظہار کیا تھا اس مرتبہ جب میں آپ سے فرنٹیئر میں ملا تو میں نے پھر اس امر کا آپ سے ذکر کیا تھا۔ مگر آپ نے حسب سابق اپنی معذوری کا اظہار کر لیا۔ ان حالات میں کسی شخص کا اس قسم کا غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا سخت قابل افسوس ہے۔ آپ کو اس کا خیال نہیں کرنا چاہیئے آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جو اپنے ذاتی مقاصد کیلئے ہر طرح پروپیگنڈہ کرنے میں کبھی گریز نہیں کرتے۔

آپ قوم کی اور اسلام کی خدمت بغیر کسی لالچ کے کر رہے ہیں۔ اور ہر شخص آپ کی دیانتداری اور حقیقی خدمت سے واقف ہے آپ جیسے مخلص کام کرنے والے قوم کیلئے باعث فخر ہیں۔

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص

لیاقت علی خان

حضرت العلامہ مولانا محمد زکریا بنوری مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز محترم رزقک اللہ الی ما تتمناہ

سلام مسنون الاسلام کے بعد عرض ہے۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے، میں نے راقم سمیع الحق کے نام ہے۔

۱۷؍شعبان المعظم کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے پشاور پہنچا۔ ماہنامہ الحق ماہ نومبر ملا، جس کو دیکھنے سے بے حد متاثر ہوا۔ ماہنامہ کیا تھا۔؟ اہم مضامین کا ایک گنجینہ تھا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء۔ خصوصاً نقشِ آغاز۔ اس عاجز کو نقشِ آغاز سے تو پہلے ہی سے بے حد دلچسپی رہی ہے۔ لیکن اس دفعہ دلچسپی کی کوئی حد نہ رہی، بار بار پڑھا۔ اور خوب غور سے پڑھا اس عاجز کی دعا ہے کہ آپ کا زورِ قلم روز بروز روبہ ترقی ہو۔ فقط والسلام۔

محمد زکریا بنوری از گوہر سید میر احمد شاہؒ۔ پشاور

۱۱؍ شوال ۶۹ آج اسی تاریخ پر میری جان محمد یوسف حفظہ اللہ من الآسف، بذریعہ ہوائی جہاز بخیر روانہ مکہ مکرمہ ہوئے، دعا میں یاد فرمایا کریں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوریؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

۱۔ بخدمت گرامی مکرم محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ دعوت نامہ پہنچ کر عزت افزا ہوا۔ افسوس کہ میں برکات جلسہ سے محروم ہوں۔ ایک ہفتہ سے وطن آیا ہوں، یہاں آکر بیمار ہو گیا، اب تک مرض کا اثر باقی ہے۔ دعاء صحت کا طالب ہوں، امید ہے کہ احقر کے عذر کو قبول فرماویں گے۔ فقط والسلام

بندہ عبدالرحمان غفرلہٗ از بہبودی

۶؍ رمضان ۷۷ھ پنجشنبہ

۲۔ بخدمت گرامی محترم مکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ مشتمل بر دعوت جلسہ سالانہ مدرسہ عزت بخش ہوا۔ احقر اپنی طبعی اعذار کی وجہ سے جلسوں اور اجتماعات کی شرکت سے معذور ہے، اعذار نہ ہوتے تو ضرور شرکت کر کے مواعظ حسنہ اور حضرات کی زیارت سے مشرف ہوتا۔ امید ہے کہ احقر کے عذر کو قبول فرمایا جاویگا۔ فقط والسلام

بندہ عبدالرحمان غفرلہٗ از بہبودی

۲۹؍ ربیع ا ۱۳۷۸ھ

۳۔ مکرمی محترم المقام حضرت مولانا عبدالحق صاحب زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ پہنچ کر کاشف حالات ہوا۔ اس تقریب سعید میں شرکت کی دعوت کا شکر گذار ہوں۔ سچ عرض کرتا ہوں کہ میں بہت دنوں سے بیمار ہوں ضعف بھی کافی ہوگیا ہے۔ اس لئے حاضری بہت مشکل ہے۔ امید ہے کہ میرا عذر قبول فرمایا جائے گا۔ اور پہنچنے کی تکلیف فرمائیں گے۔ فقط والسلام

بندہ عبدالرحمٰن عفرلہ' از بہبودی بروز دوشنبہ

۴۔ مکرم محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحب زادت محاسنکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،:۔ گرامی نامہ مشتمل بردعوت شمول تقریب سعید موصول ہو کر کاشف حالات ہوا، افسوس اور ندامت کے ساتھ عرض ہے۔ کہ احقر علاوہ دیگر امراض کے تقریباً ایک ماہ سے بخار میں مبتلا ہے۔ اس لئے شرکت سے معذور ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب والا کے اس اجتماع کو مدرسہ اور ارکان مدرسہ کے لئے موجب برکات وسعادت دارین بنائے۔ فقط والسلام

دعاؤں کا محتاج :۔ بندہ عبدالرحمان عفرلہ از بہبودی

۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ

۱۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ امام محمد بن الحسن وغیرہ متقدمین کے اصل کتب کی اشاعت کیلئے حیدر آباد دکن میں احیاء المعارف النعمانیہ کے نام سے عظیم الشان ادارہ قائم کیا امام محمد کی کتاب الآثار کی شرح لکھی، عالم، زاہد، عابد اور ورع وخشیت کا مجسمہ تھے قندھار کے باشندے تھے۔ رجب ۱۳۹۵ھ میں حیدر آباد دکن میں انتقال فرمایا۔

۲۔ خواجہ غلام نظام الدین محمودی سلیمانیؒ تونسہ کے مشہور شیخ طریقت ان کی یاد میں ماہنامہ نظام الدین ملتان سے نکلتا ہے۔

۳۔ دارالعلوم کے جلسہ دستاربندی میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔

۴۔ جناب مولانا بادشاہ گل صاحب سجادہ نشین اکوڑہ خٹک۔

۵۔ صوبہ سرحد کے مشہور شیخ طریقت عجیب وغریب صفات کے مالک، تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا۔ کار کے حادثہ میں شہید ہوگئے۔ موجودہ پیر صاحب صاحبزادہ روح الامین مانکی کے والد بزرگوار تھے۔

۶ علامہ مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ کراچی کے والد بزرگوار۔ وطن اصلی پشاور ہے، انتقال ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ کراچی میں ہوا، عالم فاضل صوفی فلسفی تھے۔ عربی فارسی اردو میں عمدہ مصنّف وحدۃ الوجود اور روح و نفس جیسے مشکل مسائل پر ضخیم مواد جمع فرمایا، اکثر کتابیں غیر مطبوعہ رہیں۔

۷ مرحوم کے نامور فرزند مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ مراد ہیں۔

۸ مشہور محدّث اور صاحب ارشاد بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور انڈیا، کے صدر مدرس۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوا۔ اپنے گاؤں بہیودی میں تدفین ہوئی، تفصیلی حالات کے لئے تجلیات رحمانی مؤلفہ قاری سعید الرحمان صاحب ملاحظہ ہو۔

۹ اعذار کے باوجود شفقت و محبت کی بناء پر دار العلوم کے کئی اجلاسوں میں شرکت فرمائی (مرتب)

بقیہ: حضرت عیسیٰ

اب بھی پہلے کی طرح حاصل ہوگی، لیکن حبل اللہ اور اسلام پر عمل پیرا ہونے سے مسلمانوں کی قوت ہے نہ کہ اسلام کو چھوڑ کر مغربیت اختیار کرنے اور اسلام میں تحریف کرنے سے وہ قوی ہوں گے یورپ کی قوت بھی تعلیم اسلامی کے اجزاء سے ہے۔ یعنی سامانِ قوت کی تیاری اور قوانینِ قدرت کا علم حاصل کرکے اس سے استفادہ کرنا۔ ان کے غیر اسلامی اجزاء یعنی اُن کے تمدّن کو ان کی ترقی میں دخل نہیں بلکہ ان کی وجہ سے مادی ترقی کے باوجود ان کا زوال شروع ہوگیا ہے۔ وہ غیر اسلامی اجزاء خدا اور آخرت فراموشی، انبیاء علیہم السلام کے اخلاقی اقدار کو زندگی سے خارج کرنا، نسل و وطن کے بت کی پرستش کرنا، زنا، جُوا بازی، لواطت، شراب نوشی، سود، عیاشی جنہوں نے مغربی قوت کے اعصاب کو کمزور کر دیا ہے اس کمزوری کی وجہ سے مغرب کی نمبر ایک طاقت کو ریا اور ویت کانگ کی معمولی بے سروسامان ریاستوں کے ہاتھوں پٹ رہی ہے اور اب توبہ کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ مغرب زدہ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی ہے کہ اُن کے ذہنی انحطاط نے ان کو سامانِ قوت کے ترک اور سامانِ زوال کے اپنانے پر آمادہ کیا ہے۔ مسلمانوں کی بڑی قوت اسلام ہے۔ وہ اس میں تحریف کر رہے ہیں۔ اور اسبابِ زوال میں خطرناک چیز یورپ کی شیطانی تہذیب ہے اس کو وہ اپنا رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)

رشید الدین صاحب

مولانا محمد علی جوہر

کا

دینی جذبہ

ابھی چند روز ہوئے مولانا محمد علی کے ایک ساتھی اور اپنے بزرگ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ مولانا کا ذکر چھڑ گیا، فرمانے لگے: "میرا خیال ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ مولانا محمد علی کو خداوند تعالیٰ کے یہاں بے پناہ انعامات ملے ہوں گے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید ایک لاکھ میں ایک باپ بھی اپنی بیٹی کے لئے اس طرح نہ سوچ سکے جسطرح مولانا نے اپنی لاڈلی بیٹی آمنہ بیگم کی شدید علالت پر جیل خانے میں بیٹھ کر سوچا ہے، فرماتے ہیں:

"تیری صحت ہمیں منظور ہے۔ لیکن اس کو نہیں منظور تو پھر
ہم کو بھی منظور نہیں۔"

اور یہ واقعہ بھی ہے، کہ راضی بہ رضا ہونا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور جو میرے مولا کا فیصلہ ہے۔ وہ خوشی سے میرا فیصلہ، یہ مقام تو معدود ہے۔ چند لوگوں کو ہی ملتا ہے۔

قوم کا سب سے اہم مسئلہ یعنی بچوں کی تعلیم پر بھی مولانا محمد علی ایک جچی تلی رائے رکھتے تھے جس میں دین کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

جامعہ ملیہ کی تعلیمی اسکیم مرتب کرتے ہوئے بچوں کی تعلیم سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: بچوں کے دل میں یہ بخوبی راسخ کر دیا جائے کہ مسلمانوں کی ابتدائی فتوحات، عقائد اسلامی کی صداقت احکام اسلام کی سودمندی اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرنے پر مبنی تھی اور ہم اگر پھر اپنی گمشدہ عظمت کا اعادہ کرنا چاہتے تو اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ عقائد اور احکام اسلامی پر کاربند ہو جائیں اور رسول مقبولؐ اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلیں۔

نوجوانوں کی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ہمارا مطمح نظر ہمیشہ یہ رہا کہ ہم اپنی درس گاہوں سے ایسے نوجوان پیدا کریں جو نہ صرف زمانے

کے معیار کے مطابق تعلیم و تربیت یافتہ شمار کئے جانے کے مستحق ہوں بلکہ سچے معنوں میں مسلمان بھی ہوں۔

مندرجہ بالا باتیں محض تحریر کی حد تک نہ رہیں۔ بلکہ جامعہ اسلامیہ (جامعہ ملیہ) جب قائم ہوا اور مولانا مولانا محمد علی اس کے پہلے شیخ الجامعہ (پرنسپل) بنائے گئے تو مولانا صبح ۷ بجے سے ۱۲ بجے بعد ظہر سے عصر تک اور نماز کے بعد مغرب تک بڑی کلاسوں کو لکچر دیتے تھے جنہیں اسلام کی بیش بہا معلومات کا ایک خزانہ کہا جائے تو مناسب ہوگا۔

لکچروں میں علامہ اقبال کی مثنویاں، اسرار خودی اور رموز بے خودی کے اشعار بار بار زبان پر آتے ہیں۔ ایک ایک شعر کی تفسیر میں بعض دفعہ گھنٹوں صرف کر دیتے خود بھی روتے اور کلاس کے نوجوان لڑکوں کے چہرے بھی آنسوؤں سے تر ہو جاتے۔ اکثر اس کی سند میں قرآن مجید کی آیتیں پڑھتے اور احادیث نقل کرتے اس طرح لڑکوں میں قرآن مجید و احادیث کے مطالعہ کا اچھا خاصا ذوق پیدا ہوگیا۔

ایک مرتبہ مشہور مفسر قرآن مولانا حمید الدینؒ فراہی کو مدعو کیا۔ اور سورۂ فاتحہ پر سات لکچر کرائے اور لوگوں نے اس کے نوٹ اور خلاصے اس طرح محفوظ رکھے جیسے انمول موتی پائے ہوں۔

مولانا نے تاریخ اسلام پر لکچروں کے ایک سلسلہ کا بھی انتظام کیا۔ یہ لکچر دار المصنفین اعظم گڑھ کے ایک رفیق مولوی سعید انصاری صاحب نے آکر دئے۔

گول میز کانفرنس لندن کی مشہور اور تاریخی تقریر میں مولانا محمد علی نے جو مذہب کی تعریف بیان کی ہے۔ اور جس انداز میں کی ہے، وہ آج بھی ایمان تازہ کر دیتی ہے، فرماتے ہیں:

"مذہب صرف عقیدے اور رسم کا نام نہیں ہے۔ میرے نزدیک مذہب کی زندگی کے حقائق کا ترجمان ہے۔ مجھے اسلام کے صدقے میں تہذیب، معاشرتی نظام اور زندگی کا امید افزا مستقبل حاصل ہے۔ اسلام ان تمام باتوں کا مکمل مجموعہ ہے۔ جہاں خدا کے حکم کا سوال ہو وہاں میں پہلے مسلمان ہوں اور آخر تک مسلمان رہوں گا۔ اگر آپ مجھے اسلام کی تہذیب معاشرتی نظام اور اخلاقیات کے بغیر اپنی سلطنت یا قوم میں داخل ہونے کے لئے کہیں تو میں کبھی داخل نہیں ہوں گا۔ میرا پہلا فرض ہے کہ میں اپنے خالق کا حکم مانوں نہ کہ ہز مجسٹی ملک معظم کا یا اپنے دوست ڈاکٹر مونجے کا۔

محمد علی صرف گفتار ہی کے غازی نہ تھے۔ وہ مجسم عمل بھی تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند رہے۔ انگلستان میں سوٹ بوٹ اور ہیٹ میں وہ بڑے مستعد

(ALERT) رہتے۔ لیکن مذہبی معاملات میں کبھی لچک نہ آنے دی۔ ولایت میں انہوں نے کبھی رمضان کے روزے قضا نہیں کئے۔

۱۹۲۸ء میں جب محمد علی بغرض علاج یورپ گئے تو چند روز کے لئے انگلینڈ بھی چلے گئے۔ وہاں ایک مرتبہ وزیٹرس گیلری میں بیٹھے ہوئے پارلیمنٹ کی کارروائی دیکھ رہے تھے کہ نماز کا وقت آگیا اسی وقت یہ اللہ کا بندہ اٹھا، گیلری کے ایک گوشہ میں اپنی عبا بچھائی اور ماسوا اللہ سے بے نیاز ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لوگوں نے اس واقعہ کو بہت تعجب سے دیکھا اور اخبارات نے اسے بطور خبر کے شائع کیا۔

کراچی جیل میں داخلہ اور وہاں کا مختصر حال خود ان کی ذاتی ڈائری کے متفرق اوراق کی زبانی سنیئے:

"سات بجے جیل میں داخل ہوا۔ رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق وجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا۔ پڑھ کر داخل ہوا۔

بستر وغیرہ جیل کا ہے۔ آتے ہی دو رکعت نماز شکر ادا کی۔"

دوسرے ورق پر "نیند آ رہی تھی، مگر عشاء کے خیال سے نہ سویا۔ عشاء سے فارغ ہو کر لیٹا۔ رات بھر پہرے والے چلاتے رہتے، آنکھ کھل جاتی تھی۔"

تیسرے ورق پر "عشاء سے فارغ ہو کر سو گیا۔ ۳ بجے اٹھا، تہجد کی توفیق ہوئی۔"

اخبار ہمدرد کے نشاۃ ثانیہ کے موقع پر مولانا محمد علی نے جو دعا مانگی وہ پوری کی پوری جذبہ دینی و شیفتگی باللہ کا ایک نمونہ ہے۔ اس دعا کے آخری چند جملے درج ذیل ہیں، جن پر میں یہ مقالہ بھی ختم کر رہا ہوں:

مولانا محمد علی دعا مانگ رہے ہیں:

"خداوندا میرے دل کو خوف ماسوا سے پاک کر دے اور صرف اپنے خوف و خشیت کے لئے اس کو چن لے تاکہ کوئی طاقت اور شاہانہ غرور و تمکنت کی خوفناک نمائش بھی میرے قدموں کو جادۂ صداقت سے ڈگمگا نہ سکے۔ خدایا راہ خداوندی میں ایثار و قربانی کرنے کی ہمت و عزم اور صبر و استقامت عطا فرمائے اور وہ فدائیت و جانفروشی کی روح جو حسینؓ ابن علیؓ کو اپنے اجداد ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اور محمدؐ سے ملی تھی اور کربلا کے ریگ زار میں جس کے ظہور کی تو نے ان کو توفیق دی تھی، اسی عزم و استقلال اور اسی صبر و استقامت کی عاجزانہ درخواست میں بھی کرتا رہا ہوں۔"

ہماری معاشی بدحالی

اور

اسلام

اللہ تعالیٰ کے دین سے روگردانی، معاصی کا ارتکاب، دین اسلام کی تضحیک اور دعوت الی اللہ کے فریضہ کو ترک کر دینا بھی معاشی بدحالی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت میں رازقِ حقیقی کی جانب سے اس بات کی سزا ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے حقیقی فرض سے غفلت برتی ہے۔

اس کے برعکس اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کے لئے معاش کے دروازے کھول دیتے ہیں جن کے دل خوفِ خداوندی سے لبریز ہیں۔ تقویٰ اور مکارم اخلاق سے مزین، دینِ الٰہی کی سربلندی کے لئے ہمہ تن مصروف جہاد ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے،

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔ الطلاق - ۳

اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ (تقویٰ اختیار کرے) اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں، کہ یہ آیت عوف ابن مالک اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی، عوف بن مالک کے صاحبزادے کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لختِ جگر کی دشمنوں کے ہاتھوں گرفتاری کا تذکرہ کیا۔ اور ساتھ ہی اپنی تنگی و فاقہ کی بھی شکایت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اتق اللہ و اصبر واکثر من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ" اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، صبر کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھو، انہوں نے اس پر عمل کیا، چنانچہ ان کے بیٹے

کو بھی رہائی مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے معاشی تنگی بھی دور فرمادی ۔ (التفسیر الکبیر جلد ۳۰)

ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہے :

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ (الاعراف - ۹۶)

اور اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان وزمین کی برکتیں کھول دیتے ، لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑلیا۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان وتقویٰ کی زندگی نہ صرف آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی ضامن ہے، بلکہ دنیوی زندگی میں بھی زمین وآسمان سے رحمتوں اور برکتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے ۔

ہم جس اصول کو بیان کررہے ہیں ۔ اس کی وضاحت سورۃ نحل کی اس مثال میں بڑے لطیف پیرایہ میں بیان کی ہے ۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ (النحل - ۱۱۲)

اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت (عجیبہ) بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے ، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بے قدری کی ، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب بھوک وخوف کا مزا چکھایا۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بتادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور اسکی عطاکردہ نعمتوں کی ناقدری اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بنتی ہے ، اور یہ عذاب قحط سالی اور چاروں طرف سے دشمنوں کا خوف بھی ہوسکتا ہے ۔ تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوام کو قحط سالی اور دشمنوں کے حملوں میں مبتلا کردیا ، جنہوں نے اس کے دین سے روگردانی کی تھی ۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے ہیں جن کے دلوں میں ایمان محکم ہے ، جن کے اعمال صالحہ ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے باعزت روزی کا وعدہ فرمایا ہے ۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ (الحج - ۵۰)

باقی ص ۴۳ پر

آگ کے شعلے جب بھڑک اٹھے اور دھواں فضا میں پھیل گیا تو پرندے تک اپنی چونچوں میں پانی کے قطرے لا لا کر آگ پر ڈالنے لگے مگر ایک دو شریر الطبع حیوان بھی تھے جو دور سے آگ کو پھونکتے رہے کہ اور بھی بھڑک جائے۔ آگ نہ پرندوں کے چند قطروں سے بجھ سکتی تھی نہ کسی جانور کے پھونک سے بھڑک سکتی تھی، مگر یہ خدا کی تقسیم ہے۔ اپنی اپنی ہمت ہے، کسی نے حق کے لئے اپنی محبت و اخلاص کا مظاہرہ کیا، کسی نے حق دشمنی کا۔ کچھ جانور حلال اور پاک تھے، اور کچھ حرام اور مردار۔ ہر ایک نے اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا، ایسے موقع پہ نیت ہر ایک کی ظاہر ہو جاتی ہے۔ فرشتے اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ تیرے عاشق بندہ کے لئے ساری دنیا جمع ہے کہ اسے جلا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو اجازت دی کہ جاکر حضرت ابراہیمؑ سے حالت دریافت کرو اگر وہ تجھ سے مانگتا ہے تو کرو۔

حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ اے ابراہیم! میں جبرائیل ہوں۔ میری قوت اور طاقت تو جانتے ہو اور ان کی طاقت تو اتنی کہ قرائے لوط و سدوم کو آسمانوں تک اٹھا کر نیچے پٹخ دیا۔ لاکھوں کی آبادی پر پتھروں کی بارش برسا دی اور زمین اوندھی کر دی۔

حضرت ابراہیمؑ کو کہا میں تیرا خادم حاضر ہوں، حکم دو کہ ان سب کو مع لاؤ لشکر کے ابھی ختم کر دوں۔

یہ ایک امتحان تھا شاگرد سارا سال استاذ سے پڑھتا ہے۔ مگر امتحان کے وقت پرچہ میں کسی سے مدد مانگے تو امتحان میں فیل ہو جاتا ہے۔ تو اس امتحان کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اور سارے عالم کو بتلانے ہیں کہ میرے ساتھ عشق رکھنے والا بندہ کیسا ہے؟ اسکی استقامت دیکھیں، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ تو اپنی مرضی سے کہہ رہا ہے، یا اللہ تعالیٰ کیطرف سے، کہا اپنی طرف سے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اما انت فلا۔ تیری مدد نہیں مانگتا یہ تو عشق ہے خدا کی راہ میں قربان ہوتا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا: مجھ سے نہیں تو اللہ سے مانگ لے کہ وہ اس مصیبت سے نجات دے۔ فرمایا: حسبی عن سوالی علمہ بحالی۔ خدا مجھے دیکھتا ہے۔ میری حالت اسے معلوم ہے تو اس کا علم میرے حال پر کافی ہے۔ سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو اسکی رضا ہو، وہی میری رضا ہے۔ اللہ میرے لئے کافی ہے۔

——— تو حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی دیا کہ اسلام کی حفاظت و بقاء کیلئے جتنا بھی ہو سکے کوشش کرو۔ پرندوں کی طرح باطل کی آگ بجھانے کے لئے دو دو قطرے کیوں نہ ہو سکیں آگ پر ڈالنے کی سعی کرو۔ دین کی حفاظت تو خود اس کے ذمہ ہے، ہماری ہمت اور سعی اور نیت کا امتحان ہوتا ہے ——— انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ——— اللہ دیکھتا ہے کہ:

لوگ آگ بجھانے والے پرندے بنتے ہیں یا آگ بھڑکانے والے شریر الطبع جانور۔ باقی حفاظت کرنا خدا کا کام ہے۔ آگ سے بھی باغ بنا سکتا ہے۔

قیصر روم نے حضرت عمرؓ کے شہید کرنے کے لئے آدمی بھیجا، اس نے آکر دیکھا کہ حضرت عمرؓ درخت کے سایہ میں سوئے ہیں، درہ سرہانے رکھا ہوا ہے۔ کافر تاک میں رہا آکر دیکھا کہ ان کے ارد گرد شیر گھوم پھر رہا ہے حفاظت کر رہا ہے۔ خوف کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت عمرؓ بیدار ہوئے، کافر کو ہوش میں لایا گیا۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ کہا یہ تو پھر بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتلا دو کہ یہ شیر اور درندے کیسے آپ کے مسخر ہوئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو شیر کا پتہ نہیں تھا، ولی کیلئے اپنی کرامت کا علم ہونا ضروری نہیں۔ تو فرمایا کہ یہ تو مدینہ ہے آبادی ہے۔ یہاں شیر کہاں سے آیا؟ اتنے میں غیبی آواز آئی کہ اے عمرؓ! تم خدا کے دین اور امت کی مدد کرتے ہو۔ اسکی اتحاد و ترقی میں مشغول ہو تو خدا کی کل مخلوق تیری خواہ مخواہ اور ہمدرد ہوگی۔

—— تو جب حضرت ابراہیمؑ نے ایمان و استقامت کا کامل مظاہرہ فرمایا تو آگ کو خدا نے خود گلزار بنا دیا۔ برداً وسلاماً علی ابراھیم۔ ہوگیا اور آگ کی معمولی تپش سے بھی خدا نے محفوظ رکھا۔

پھر ایک موقع آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو پورے ملک اور قوم کو چھوڑنا پڑا۔ یہ دوسری عظیم قربانی تھی۔ ملک و وطن قوم قبیلہ سب سے الگ ہو کر اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ پھر جب اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کی آبادی کا موقع آیا تو شیر خوار معصوم بچے اور محبوب رفیقۂ حیات حضرت ہاجرہؓ کو ایک ویران اور سنسان وادی۔ وادی غیر ذی زرع۔ میں جا کر چھوڑ دیا۔ یہ اللہ کے احکام پر تسلیم و انقیاد کے مظاہرے تھے۔ نارِ نمرود کے موقع پر اپنی جان کی قربانی پیش کی اور جان کی قربانی تو آسان ہے، مگر اولاد اور بیٹے کی شکل تو اب اللہ نے یہ امتحان بھی پورا کرنا چاہا۔ حکم ہوا کہ اپنے جگر گوشہ اسماعیل کو ذبح کر دے، میری راہ میں بڑھاپے کا یہ سہارا جوان بیٹا قربان کر دے۔ لوگ اپنے آرام و راحت اور ہر عیش و عشرت اولاد ہی کے لئے قربان کرتے ہیں۔ آپ نے سب کچھ اللہ کے لئے قربان کر دیا۔ اپنے بیٹے سے کہا: یا بنیّ انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری۔ اے بیٹے مجھے حکم ہوا ہے۔ وہ بھی خواب کا حکم تھا۔ دوسرے لوگ اس کی تعبیر میں تاویل ڈھونڈھتے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے لئے خواب اور جاگنے کا حکم برابر تھا۔ فرمایا: کہ اے بیٹا میں تجھے اللہ کے حکم پر ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اطاعت شعار اور پیکر صبر و رضا تھے۔ فرمایا: ابا جان جلدی کیجئے اللہ کے حکم کے سامنے میں گردن نہاد اور صابر و شاکر ہوں۔ یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ

من الصبرین ـــ انشاء اللہ تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ مجھے اوندھا لٹادیں اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں۔

ادھر اللہ نے قربانی قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل کے بدلے حضرت ابراہیمؑ کی سنت قربانی قیامت تک جاری فرمادی۔ آج ہم حضرت ابراہیمؑ کی سنتوں کی احیاء کرتے ہیں۔ قربانی اور حج حضرت ابراہیمؑ کے اعمال اور قربانیوں کی یاد ہے۔ دوسرا سبق یہ بھی ہوا کہ اولاد کو والدین کا فرمانبردار ہونا چاہیئے جو اولاد ماں باپ کی عظمت اور احترام نہیں کرتے وہ دوزخی ہے۔ والدین خفا ہیں۔ تو جہنم کے در دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔ خوش ہو تو جنت کے در دروازے کھلے ہیں ـــ ولا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما۔ انہیں محبت اور ادب کی نظروں سے دیکھنا چاہیئے، جھڑکنا بھی جائز نہیں، شفقت و محبت سے دیکھنے کا بھی حج اور عمرہ کے برابر ثواب ہے۔ آجکل دوست احباب کے لئے تو ادب ہوتا ہے۔ ان کے لئے مرغ پلاؤ ہے۔ مگر بوڑھے ماں باپ کو جتنا ڈانٹ سکتے ہیں دریغ نہیں کرتے۔ حضرت اسماعیلؑ ایک روایت کے مطابق بارہ سال کے تھے۔ مگر باپ کے سامنے گردن نہاد ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ ایک صحابیؓ کی وفات کے وقت زبان بند تھی۔ کلمہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ماں اس سے ناراض تھی۔ فرمایا لکڑیاں جمع کر کے لے آؤ، اسے جلادیں ماں ڈر گئی، پریشان ہوئی۔ فرمایا: اس کا انجام تو ویسے بھی یہی ہے۔ جب تک تو اسے معاف نہیں کرے گی، ماں نے اُسے بخش دیا، کلمہ طیبہ بھی اس وقت اس کے بیٹے کی زبان پر جاری ہو گیا۔

مگر اس وقت عجیب حالت ہے۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ قیامت سے قبل عالم اکبر کا مزاج ہی بگڑ جائے گا۔ اولاد ماں باپ کا آقا بن جائے گی۔ مالک اور غلام کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ الغرض حضرت ابراہیمؑ کا عمل قربانی امت کے لئے ایک نمونہ ہے۔ قربانی دیتے وقت ہمیں یہ بات مستحضر کرنی چاہیئے۔ کہ یا اللہ ہم تیری مرضی کے لئے اپنی جان دینے سے اپنی اولاد سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ نوجوانوں کو سوچنا چاہیئے کہ ہم حضرت اسماعیلؑ کی طرح والدین کی اطاعت کا شیوہ اختیار کریں گے اور اللہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔ یہ اجتماع عید مبارک ہے تو استغفار کا وقت ہے جو حدیث کی بنا پر دلوں سے زنگ کو دور کرتا ہے۔ شیطان نے کہا میں انسانوں کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا ازال اغفر لھم ما استغفروا۔ جب تک یہ استغفار کریں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو استقامت اور ہدایت دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب مرحوم دہلی

الارض المقدسہ فلسطین میں بنی اسرائیل کے چار معرکے

اسلامیانِ ہند کے مورخ جلیل مولانا محمد میاں مرحوم کا اس ماہ انتقال ہوگیا۔ اس مناسبت سے ہم مولانا مرحوم کا ایک تازہ مضمون جو پچھلے دنوں آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ پیش کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

سرزمین فلسطین میں جسکو قرآن حکیم نے "الارض المقدسۃ" فرمایا ہے۔ "کنعان" (لبنان) شام (سوریہ) کے لوگ اور وہ قومی ہیکل وحشی بڑی تعداد میں آباد تھے، جن کو "عمالقہ" کہا جاتا تھا۔ حضرت حق جل مجدہٗ کا منشا یہ ہوا کہ ارض مقدسہ کو ان سے پاک کرایا جائے۔

یہی وہ زمانہ ہے کہ بنو اسرائیل جن کو تقریباً چار سو سال پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں آباد کیا تھا۔ اور اب ان کی تعداد ایک روایت کے بموجب چھ لاکھ ہوگئی تھی، فرعون کے بے پناہ مظالم سے تنگ آکر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیر قیادت مصر سے نکلے تھے اور صحرا تیہ میں پہنچے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بشارت سناتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے "الارض المقدسہ" کو تمہارے لئے طے فرما دیا ہے۔ ان کو اقدام کا حکم دیا۔ آگے بڑھو اور اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جیسے ہی تم داخل ہوگے غالب ہو جاؤ گے، کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ (القرآن)

ممکن ہے بنو اسرائیل کے دل میں ولولہ پیدا ہوا ہو مگر جب دو باخدا نوجوانوں (حضرت یوشع بن نون اور کالب بن یوحنا) کے علاوہ جائزہ لینے والے وفد کے تمام ارکان نے ان باشندوں کے قد و قامت اور ان کی دلیری کے حیرت انگیز حالات بیان کئے۔ تو سب کی ہمتیں پست ہوگئیں اور معذرت کر دی کہ

"اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ"

ممکن ہے ان کی معذرت کے الفاظ کچھ اور ہوں، مگر یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ ان کی معذرت کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ایسا لفظ منتخب کیا جس سے منشاء اخراج کی وجہ بھی معلوم ہوگئی — کفر کے ساتھ حکومت اور سلطنت باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن جس قوم کا خصوصی امتیاز ظلم و ستم اور جبر و قہر ہو جائے اس کے

لئے انقلاب ضروری ہے۔ وہ لوگ جو فلسطین میں آباد تھے اگرچہ ان کی نسلیں مختلف تھیں مگر جبر و قہر میں سب برابر تھے۔ اب یہ ایک جابرہ کا گروہ تھا۔

ایسی قومیں پہلے بھی گذر چکی تھیں جن کا طرۂ امتیاز جبر و قہر اور ظلم و عصیان ہو گیا تھا۔ عاد اور ثمود، طسم و جدیس وغیرہ ایسی ہی جابر اور قاہر قومیں تھیں ان کے متعلق سنت الٰہیہ یہ رہی کہ ان کو قدرتی آفات مثلاً بارش یا آندھی کے طوفان سے تباہ کر دیا گیا۔ کسی کو زمین دھانس دیا گیا کسی پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ انسانوں کی طاقت سے ان کو ختم نہیں کیا گیا۔

حضرات مفسرین کی تحقیق ہے کہ سب سے پہلے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں تدبیر الٰہی یہ ہوئی کہ انسانوں کو وسعت قدرت کا آلۂ کار بنایا جائے اور جابر قوموں کو انسانوں ہی کی طاقت سے مغلوب کیا جائے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جہاد کو شریعت کا ایک حکم قرار دیا گیا اور پیروان موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فلسطین کے جباروں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اس وقت بنو اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل سے پہلوتہی کی تو ان کو سزا دی گئی کہ وہ چالیس سال تک اس صحرا میں سرگرداں رہیں گے۔

توریت کا بیان ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد چالیس منزلیں طے کر کے بنی اسرائیل اس مقام پر پہنچے تھے جہاں ان کو سرزمین فلسطین میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ انہوں نے حکم کی تعمیل سے سرتابی کی تو یک روزہ منزل کو یک سالہ منزل بنا دیا گیا اور داخلۂ فلسطین چالیس سال موخر کر دیا گیا۔ (گنتی باب ۳۳ میں ان چالیس منزلوں کے نام بھی بیان کئے گئے ہیں۔) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات اسی صحرا میں ہوئی۔ توریت میں ہے کہ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ قبائل کو کنعان (لبنان) میں آباد کر دیا تھا۔ بہرحال فلسطین میں داخلہ نہیں ہو سکا۔ البتہ اس عرصہ میں نوجوانوں میں روح جہاد پیدا ہو گئی۔

دونوں نبیوں کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام ان کے قائم مقام قرار دئے گئے۔ انہوں نے اس روح جہاد سے کام لیا اور حکم اقدام کی تعمیل کر کے فلسطین کو فتح کیا۔ بنو اسرائیل کو یہاں آباد کیا باقاعدہ حکومت قائم کی جو کئی صدیوں تک (تقریباً پانچسو سال تک) رہی۔ آس پاس کے علاقہ اس مملکت میں داخل کر لئے گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ) یہ پہلا معرکہ تھا بنی اسرائیل کا اس علاقہ کے باشندوں کے ساتھ۔

دوسرا معرکہ | یوشع علیہ السلام کے بعد تقریباً تین صدی تک بنو اسرائیل کی حالت درست رہی۔ لیکن پھر خرابی پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ انبیاء علیہم السلام برابر آتے رہے، ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے تو قانون قدرت نافذ ہوا۔ اور وہی عمالقہ وغیرہ جن کو الارض المقدسہ سے نکال دیا گیا تھا۔ وہ بڑھنے لگے، حتیٰ کہ بنو اسرائیل کو اس سرزمین سے نکال دیا اور ان کے خاندان بھی منتشر کر دئے مگر بنی اسرائیل کے

خاص طبقوں میں کچھ دینی احساس باقی تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے نبی حضرت شموئل اور توریت کے الفاظ میں "سموئل" کی طرف رجوع کیا اور درخواست کی کہ ان کے لئے کوئی "ملک" حکمران مقرر کردیں جس کی زیر قیادت یہ راہِ خدا میں جہاد کریں، حضرت سموئل نے ان سے عہد و پیمان لیا اور خود اپنے انتخاب سے یا اللہ تعالیٰ کی وحی کے بموجب ایک شخص کو ان کا ملک نامزد کر دیا، قرآن پاک کے الفاظ میں اس کی خصوصیت یہ تھی "زادہٗ بسطۃً فی العلم والجسم" (اسے علم اور جسم دونوں میں فراخی زیادہ دی ہے)

توریت نے اس کا نام "ساؤل" بتایا ہے۔ اور قرآن حکیم اسکو "طالوت" کہتا ہے۔ یعنی دراز قد، ماخوذ از طول یعنی قرآن پاک نے وہ نام تجویز فرمایا جس سے اس انتخاب کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

طالوت نے مقابلہ کیا وہ اپنے حملوں میں کامیاب بھی ہوتا رہا۔ مگر ایک بہادر پر وہ قابو نہ پا سکا، یہاں تک کہ اس کو اعلان کرنا پڑا کہ جو اس کو مار دے گا میں اس کو بڑی دولت سے دولتمند کر دوں گا اور اپنی بیٹی اس کو دیدوں گا۔ (۱-سموئیل)

قرآن حکیم نے اس بہادر کا نام "جالوت" بتایا ہے اور توریت کی زبان میں "جولیت" ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام طالوت کی فوج میں ایک سپاہی تھے۔ یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقدر فرمائی تھی کہ انہوں نے جالوت کو مار ڈالا۔ "قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ" ساتھ ہی قرآن حکیم نے یہ بھی فرمایا ہے: "واٰتاہ اللّٰہ الملک" اللہ تعالیٰ نے ان کو (داؤدؑ) کو ملک عطا فرما دیا، مگر توریت کے طویل بیان کے بموجب حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک آسانی سے نہیں ملا بلکہ ان کو بہت کچھ ایذائیں پہنچائی گئیں اور ان کو بہت زیادہ ستایا گیا۔

سورۂ ص آیت ۱۷ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: "واذکر عبدنا داؤد" یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرت کی طرف توجہ دلائی گئی اس سے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے مصائب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ گویا ان کا صبر ایک مثال ہے جو پیش نظر رہنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ "قتل جالوت" حضرت داؤد علیہ السلام کا ایسا کارنامہ تھا جس نے ان کو قوم بنی اسرائیل کا ہیرو بنا دیا تھا، سب کی نگاہیں ان پر جم گئیں اور ان کی مقبولیت بڑھ گئی، طالوت جو اعلان کر چکا تھا اس کو اس نے ضرور نباہا۔ حضرت داؤد کو داماد بھی بنا لیا اور ان کو بہت بڑا دولتمند بھی کر دیا مگر ان کو اپنا حریف بھی سمجھنے لگا، علانیہ قتل کر دینا اسکی شاہانہ مصلحت کے خلاف تھا۔ تو در پردہ قتل کرنے کی صورتیں تجویز کیں۔ مگر وہ ہر مرتبہ ناکام رہا۔ توریت کا بیان یہ ہے کہ وہ اسی طرح کی

سازشیں کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا اور اس کے مرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہ بنایا گیا۔ مگر مورخین کا بیان یہ بھی ہے کہ ناکامیوں کے بعد اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ چنانچہ وہ خود حکومت و سلطنت سے دست بردار ہوگیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا دیا۔

یہ بنی اسرائیل کا دوسرا معرکہ تھا جس کا انجام نہایت مبارک اور مسعود تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام حکمران قرار دئے گئے، یا داؤد انا جعلناك خليفة فى الارض۔ (سورہ ص) پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے، یہ بنی اسرائیل کا انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

حضرت سموئیل کا ظہور حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات سے چار سو ساٹھ سال بعد ہوا۔ (البدایہ والنہایہ ص ج ۲) اس حساب سے تقریباً پانچ سو سال بعد بنو اسرائیل کی ترقی پذیر حکومت دوسری مرتبہ قائم ہوئی۔

تیسرا معرکہ یا انقلاب | حضرت داؤد علیہ السلام کی قائم کردہ سلطنت کا دور عروج تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات پر ختم ہوگیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشین کے بعد سیاسی اتحاد بھی ختم ہوگیا۔ لیکن عمل اور کردار کے لحاظ سے تقریباً تین صدی تک، یہ قوم اپنی اخلاقی اور دینی ذمہ داریوں کو نبھاتی رہی اس کے بعد خرابیاں شروع ہوئیں جو دن بدن بڑھتی رہیں اس دور کے نبی ہر چند اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ان کی خرابیاں کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی رہیں۔ بائبل کی کتابوں مثلاً تواریخ ۲، یا السفر الثانی من اخبار الایام کی کتاب، ارمیاہ کی کتاب، میکاہ یا میخا کی کتاب، وغیرہ میں ان کے مفاسد اور مظالم تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ان کتابوں کے تقریباً پانچسو صفحات کا مطالعہ کیجئے تو یہ تفصیلات سامنے آسکتی ہیں۔

مختصر یہ کہ فسق و فجور کی وبا میں یہ جارحیت بھی تھی کہ وہ اہل حق کی نصیحت کو گردن زنی جرم سمجھنے لگے تھے، چنانچہ متعدد انبیاء اسی جرم میں جام شہادت نوش کر چکے تھے، یہ انبیاء اس تباہی اور بربادی کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ جو ان کے بدترین کردار کے نتیجہ میں آنے والی تھیں، اور جن کے ہاتھوں میں بنی اسرائیل کی باگ ڈور تھی، وہ ان کو قوم کا غدار قرار دیکر قتل تک کی سزائیں دیتے تھے۔ ان نصیحت کرنے والے انبیاء میں آخری نبی حضرت یرمیاہ تھے۔ انہوں نے نام لے کر بتا دیا تھا کہ بابل کے یہ حکمران تمہیں برباد اور تمہارے شہروں کو ویران کر دیں گے، مگر ان کی صاف گوئی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کو قید میں ڈال دیا، بہرحال انجام یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً پانچ سو سال پہلے "بخت نصر" اور توریت کے الفاظ میں "نبوکدنضر" نے یروشلم پر حملہ کیا۔ جنگجو جوانوں کا قتل عام

کیا پھر ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا دئیے عورتوں کو برہنہ کرکے بازاروں میں گشت کرایا، عوام کو غلام بنایا، بچوں کو گرفتار کرکے اپنے ساتھ بابل لے گیا، شہروں میں آگ لگوا دی، حویلیاں اور عباد تخانے مسمار کروا دئیے، تورات کے نسخے جلا ڈالے، بیت المقدس میں خنزیر ذبح کرائے۔ یہ تھا تیسرا معرکہ یا انقلاب جس میں بنو اسرائیل بھی تقریباً فنا ہو گئے اور ان کے شہر اور آبادیاں بھی۔

سبب اور وجہ | قرآن حکیم نے چند الفاظ میں اور توریت نے اپنے مفصل اور مطول بیانات میں اس لرزہ خیز و عبرت انگیز تباہی اور بربادی کا سبب ان کی بے پناہ بداعمالیوں کو قرار دیا ہے۔ یعنی خدا کا قہر و غضب تھا جو بخت نصر اور اس کی فوج کے مظالم کی شکل میں وقوع پذیر ہوا مگر روحانی اسباب کے ساتھ مادی اسباب کا سلسلہ بھی چلتا رہتا ہے، انسانوں کی نظر انہیں اسباب پر ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے غیر مناسب نہیں ہوگا کہ مادی اسباب بھی تلاش کئے جائیں، چنانچہ مادی اسباب کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہاں مادی اسباب بھی روحانی اسباب سے ملتے جلتے ہیں ــــــ

مادی اسباب | یہ وہ دور تھا جب بنو اسرائیل کی مادی طاقت انتہائی عروج پر تھی مادی اسباب، کی مضبوطی اور فراوانی نے ان میں تعیش کے ساتھ غرور بھی پیدا کر دیا تھا، یہی غرور تھا جو ان کو اپنے حقیقی خیر خواہ یعنی انبیاء علیہم السلام سے بغاوت پر اکساتا رہا۔ ان کا غرور برداشت نہیں کرتا تھا کہ ان پر تنقید کی جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ قتل انبیاء ان کا شیوہ ہو گیا تھا۔

غیر معمولی طاقت کا یہ بت اخصانہ تھا کہ بابل کے بادشاہ نے حملہ کیا تو نہ صرف یہ کہ حملہ کو پسپا کیا بلکہ ساری فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شاہ بابل کا نام سنحاریب اور توریت کی زبان میں سنحریب تھا، بنو اسرائیل کے بادشاہ کا نام صدیقہ تھا۔ (ابن کثیر)

توریت کی روایت ہے کہ یہ لشکر وبا سے ہلاک ہو گیا۔ صرف پندرہ آدمی بچے لیکن محمد بن اسحاق وغیرہ کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لشکر کا قتل عام کیا گیا، صرف وہ پندرہ آدمی بچ گئے۔ جو بھاگ کر کہیں چھپ گئے تھے۔ سنحاریب نے بھی اسی طرح جان بچائی پہلے اس کی لاش تلاش کی گئی جب لاش نہیں ملی تو جنگلوں اور پہاڑوں میں لوگوں کو دوڑایا گیا بالآخر پہاڑ کے ایک غار میں اس کو پا لیا گیا اور ساتھ ہی پندرہ آدمی گرفتار کئے گئے جو اس کے "کُتّاب" (سیکریٹریٹ کے افسر) تھے ان میں اس کا پوتا بخت نصر بھی تھا۔

توریت کے بیان کے بموجب اگر وبا آئی تھی تو سنجاریب کو پہاڑ کے غار میں نہیں، نہیں، بلکہ کسی حکیم کے بیمار خانہ میں پناہ لینی چاہئے تھی، پہاڑ کے غار میں تو عام سے بچنے کے لئے پناہ لی جاتی ہے وباء سے بچنے کے لئے نہیں۔

بہرحال شاہ سنجاریب اور اس کے ساتھیوں کی گردنوں میں کڑے (طوق) ڈالے گئے، روزانہ بیت المقدس اور ایلیاء کے اطراف میں انکو گھمایا جاتا تھا اور جو کی دو روٹیاں ان کو دی جاتی تھیں، جب ایسی حالت میں ستر دن گذر گئے تو سنجاریب نے درخواست کی کہ ان کو قتل کیا جائے، ہر وقت کی اس مصیبت سے ایک دفعہ قتل کر دیا جانا بہتر ہے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

اس درخواست کے جواب میں یہ ہوا کہ ان کو بابل پہنچا دیا گیا سنجاریب بابل پہنچنے کے بعد سات سال زندہ رہا پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے پوتے بخت نصر کو اس کا جانشین بنایا گیا اسی عرصہ میں بنو اسرائیل کا بادشاہ صدیقہ بھی مر گیا اور اسکی جگہ ناشیہ بادشاہ بنایا گیا مگر اس کے دور میں نظام سلطنت استوار نہیں ہو سکا اور مظالم کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔

حضرت یرمیاہ نبی تھے ان کو ستایا گیا حضرت دانیال کے ساتھ بھی ظالمانہ برتاؤ کیا گیا، بخت نصر اپنے ملک میں ترقی کر رہا تھا یہ اس کی مثال دیتے تو اس کے حامی سمجھے جاتے تھے یہاں تک کہ ان کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا گیا بخت نصر بنی اسرائیل سے خار کھائے ہوئے تھا۔ وہ اپنی طاقت فراہم کر چکا تھا۔ بنی اسرائیل کا نظام پراگندہ ہوا تو بخت نصر کو موقع مل گیا اس نے یروشلم پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

بیت المقدس کی آباد کاری | توریت کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر مستقل بادشاہ تھا۔ لیکن ہشام بن کلبی اور طبری وغیرہ مورخین اسکو خود مختار نواب کی حیثیت دیتے ہیں۔ یہ شہنشاہ ایران "لہراسپ" کے ماتحت تھا، لہراسپ کے مرنے کے بعد بشتاشب اس کا جانشین ہوا۔ اس کے زمانۂ حکومت میں بخت نصر کا انتقال ہوا، بنو اسرائیل اس وقت بابل کے علاقہ ہی میں تھے۔ بشتاشب نے ان کو آزاد کیا اور فلسطین لوٹا دیا، ایک شخص کو ان کا حکمران بھی بنا دیا، شہر کو آباد کرایا اور بیت المقدس بھی تعمیر کرا دیا۔

اب بنو اسرائیل کی شیرازہ بندی ہوئی اور حضرت عزیر علیہ السلام کے ذریعہ سے توریت بھی انکو میسر آگئی۔ حضرت عزیر کو حفظ یاد تھی یا ان پر القاء ہوئی یا کسی جگہ کوئی نسخہ دفن تھا، حضرت عزیر کو کسی طرح اس کا پتہ چل گیا اور انہوں نے اسکو برآمد کر لیا اور دوسرے علماء کی امداد سے اسکو صاف اور صحیح

کیا یہ سب رو دہن میں، بہرحال طویل عرصہ کم از کم ایک صدی کے بعد بنی اسرائیل کو دوبارہ زندگی میسر آئی۔
سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۹، رکوع ۳۵ میں ایک قریہ کا ذکر ہے۔ اس میں "مائۃ عام" (سو سال) کا لفظ بھی آیا ہے۔ مفسرین نے بربادی اور آبادی بیت المقدس کا سلسلہ بھی اس آیت سے جوڑا ہے۔

چوتھا معرکہ | حضرت عزیر گویا بنو اسرائیل کے مجدد تھے۔ آپ کے زمانہ سے بنو اسرائیل کا دوبارہ نشو و نما شروع ہوا۔ مگر جب عروج کی منزل پر پہنچے تو ان کے تیور وہی تھے، وہی غرور اور سرکشی وہی ظلم و عدوان خدا پرستوں کو ایذاء پہنچانا، خدا کے پیغمبروں کو قتل کرادینا وغیرہ وغیرہ۔ حتیٰ کہ بخت نصر کے ہنگامہ سے تقریباً پانچ سو سال بعد اور بنو اسرائیل کے دور نشاۃ ثانیہ سے تقریباً چار سو سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا تو یہ یہود ان کے دشمن ہو گئے۔ شام اور فلسطین اس وقت جمہوریہ روم کے ماتحت تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود شہید نہ کر سکے تو جمہوریہ روم کی عدالت میں ان پر دعویٰ دائر کر دیا اور پھر ایسی سازش کی کہ عدالت کو بذریعہ سولی سزائے موت کا فیصلہ کرنا پڑا، قرآن حکیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول یا مصلوب ہونے کا قطعی انکار کرتا ہے۔ اور یہی حقیقت بھی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے۔ اور سازش کرنے والوں ہی کا ایک شخص سولی پر چڑھایا گیا۔ مگر یہود کی ڈھٹائی یہ تھی کہ اپنے سینوں پر ہاتھ مار مار کر بڑے زور سے کہا کرتے تھے کہ جن کو عیسیٰ کہتے ہو، جو مریم کا بیٹا تھا جس کو تم اللہ کا رسول کہتے ہو، ہم پورے یقین سے کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے اس کو قتل کر دیا۔
(سورۂ نساء آیت ۱۵۷)

لیکن یہ ان کی خوشی زیادہ عرصہ نہیں رہی، ان کے تمرد نے ان کو اس زمانہ کے اقتدار اعلیٰ باز نطینی سلطنت بالفاظ دیگر جمہوریہ روم کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہی حکمران جن کی ایک عدالت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے صلیب کا فیصلہ کیا تھا۔ انہیں کی فوجیں طیطوس بن اسپاتونس (ٹیٹس) کی زیر قیادت تقریباً ۷۰ سنہ میں، ان پر مسلط ہوئیں، اور بقول فلیجن، مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان، بدمعاش، عبادت گذار، زاہد، لڑنے والے اور رحم کی فریاد کرنے والے، سب بلا امتیاز تہ تیغ کر دیئے گئے۔ (تاریخ یہود از فلیجن جلد دوم) "تاٹیٹس نے اتنے یہودیوں کو پھانسی دی کہ نہ وہاں پھانسیوں کے لئے کافی جگہ باقی رہی نہ سزا پانے والوں کے لئے کافی پھانسیاں۔ (عیسیٰ انصاری از کلاسنر بحوالہ تفسیر ماجدی)

یہ چوتھا معرکہ تھا جس کے نتیجہ میں یہود ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے۔ آجکل اگرچہ امریکہ کے بل بوتے پر وہ بیت المقدس کے گرد منڈلا رہے ہیں، مگر یہ عارضی صورت ہے جس کے ختم ہونے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان آثار کو کامیاب فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

افکار و تاثرات — پروفیسر محمد سلیمان اظہر۔ ایم اے

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

جنگِ آزادی کی تاریخ مسخ کرنے کی شرمناک کوشش

اس وقت ہمارے سامنے ترجمان اہل سنت کراچی کا وہ شمارہ ہے جو جولائی ۱۹۷۵ء میں منظرِعام پر آیا اور جسے جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) نمبر کہا گیا ہے۔ ہم کبھی تو اس میں مندرج لغویات کو دیکھتے ہیں۔ اور کبھی تاریخی مسلمات کی جانب ہماری نظر اٹھتی ہے۔ ہم محو حیرت ہیں کہ تحقیق و آگہی کے دور میں کس قدر ڈھٹائی کے ساتھ حقائق مسخ کر کے تاریخ سازی کا مکروہ ترین کام کیا گیا ہے۔ ہماری حیرت اس وقت دوچند ہو جاتی ہے، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک ایسا فرقہ اپنے آپ کو جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا ہیرو بنا رہا ہے۔ جس کا اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ سبھی جانتے ہیں کہ بانیٔ فرقہ بریلویہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی اس جنگ کے بعد علمی میدان میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان کے مکتبِ فکر کی تشکیل تو بہت بعد کی بات ہے۔ یہ لوگ ایک طے شدہ منصوبے کے مطابق پروپیگنڈے کے بل پر نہ صرف تاریخ کا دھارا موڑنا چاہتے ہیں بلکہ دنیائے سنیت کے بھی اجارہ دار بننا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بریلوی حضرات کے علاوہ ہر مسلمان دائرہ سنیت سے خارج ہے۔ پہلے ہم انہیں ان کا محل وقوع سمجھائے دیتے ہیں کہ اہل سنت کی اصطلاح اہل تشیع کے مقابلہ میں وضع ہوئی تھی۔ اہل سنت دو گروہوں میں منقسم ہوئے جنہیں اہل الحدیث اور اہل الرائے کہا گیا۔ آئمہ اربعہ کے بعد اہل الرائے مزید کئی گروہوں میں بٹ گئے جن میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ شامل ہیں۔ اور انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں احناف مزید دو گروہوں یعنی دیوبندی اور بریلوی کے ناموں سے موسوم ہوئے۔ گویا اہل سنت میں اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ شامل ہیں۔ اور بریلوی ان میں سے۔ ایک فرقے یعنی حنفی کی ایک شاخ ہیں۔ اور آج حالت یہ ہو گئی ہے۔ کہ شاخ ہی تنا ہونے کی مدعی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت آج کے معروف بریلوی فرقے کا وجود تک نہیں تھا۔ ہاں احناف موجود تھے، جن میں سے بعض نے مجاہدین کا ساتھ دیا۔ بعض نے غیر جانبداری اختیار کی اور بعض نے سوء اتفاق سے انگریز کی حمایت کی۔ بریلویوں کے بانی اور ان کے مجدد احمد رضا خاں صاحب

بریلوی اس وقت کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ ممتاز افراد میں ہوتے تو ان کا کیا طرزِ عمل ہوتا، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یقیناً انگریز کی حمایت کرتے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام" میں واضح طور پر انگریز کے زیرِ حکومت ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بانیٔ فرقہ کی اس رائے کے خلاف اگر کسی بریلوی نے بعد میں کسی جدوجہد میں حصہ لیا ہے تو وہ اس کا انفرادی فعل تو ہو سکتا ہے۔ جماعت کا کارنامہ شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی حد تک بریلویوں کا دامن بالکل خالی ہے۔

اس نمبر کے مضمون نگاروں نے تاریخی مغالطے دیکر بر خوبی اپنے دامن میں ڈالنے اور ہر خامی دوسرے مکاتیبِ فکر کے سر منڈھنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر اس میں صفحہ ۱ سے اسعد نظامی صاحب کا ایک مضمون "تحریکِ آزادی کے سنی مشائخ" شروع ہوتا ہے جس میں خواجہ خراب شاہ، خواجہ قطب الدین دہلوی وغیرہ کی جنگِ آزادی میں سرگرمیاں ذکر کی گئی ہیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ اوّل الذکر کے متعلق لکھتے ہیں: "جنگِ آزادی شروع ہوئی تو حضرت مخدوم مولانا فضلِ حق خیرآبادی کے فتویٰ جہاد کے ایماء پر آپ نے بھی گوالیار اور اس کے مضافات کے علاقوں میں اپنے تمام مریدوں اور دوستوں کو جمع کر کے انگریزوں کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔ اور ثانی الذکر کے متعلق لکھتے ہیں: "چنانچہ آپ نے دہلی کی جامع مسجد میں حضرت مولانا فضلِ حق صاحب کے فتویٰ جہاد کی تائید و توثیق فرمائی۔ اور آپ نے نہ صرف اہالیانِ دہلی کو بلکہ تمام برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو دعوتِ جہاد دی۔"

ظاہر ہے کہ جن مشائخ نے حجروں اور خانقاہوں سے نکل کر جہاد کا علم بلند کیا تھا۔ وہ لائق صد تعظیم ہیں۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ خود اسعد نظامی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں بزرگ محرم ۱۲۳۳ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ جو سنہ عیسوی کے حساب سے ۱۸۱۷ء ہوتا ہے۔ اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء اور فتویٰ جہاد وغیرہ۔ ان کی وفات سے کم و بیش چالیس سال بعد کا واقعہ ہے۔ جنگ کے آغاز سے چالیس سال قبل مر جانے والے بزرگوں کو جنگِ آزادی کے محرکین اور قائدین بنا دینے پر ہم اسعد نظامی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قارئین کی تفننِ طبع کے لئے اپنے ایسے ہی تحقیقاتی شہ کار منظرِ عام پر لاتے رہیں۔

صفحہ ۱۰۴ سے سید مصطفیٰ علی بریلوی کا مضمون شروع ہوتا ہے جس کے صفحہ ۱۱۱ پر ایک

عنوان یوں ہے۔ "مولوی عنایت علی بریلوی کی بغاوت ۱۸۵۷ء" اس کے تحت معرکہ تاریخی کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔
~~.......~~ یہ مولوی عنایت علی مشہور زمانہ وہابی ہیں حضرت سید احمد شہیدؒ کے بقیۃ السیف مجاہدین کے امیر ہیں۔ مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ پٹنہ کے مشہور صادق پوری خاندان کے فرد ہیں۔ اہل حدیث ہی نہیں بلکہ اہل حدیث گر ہیں۔ آپ نے ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۸ء تک انگریز کا ناک میں دم کئے رکھا۔ صوبہ سرحد میں اسلامی حکومت قائم کی۔ جس کا دارالحکومت ضلع ہزارہ میں گڑھی حبیب اللہ کے قریب دریائے کنہار کے کنارے اسلام گڑھ نامی قلعہ تھا۔ بانس بریلی سے ان کا نہ نسبی تعلق تھا۔ اور نہ ہی عقائد کے لحاظ سے۔ لیکن مصطفیٰ علی بریلوی صاحب کی جدید تحقیق کے مطابق خاندان دوران مولانا عنایت علی صادق پوری مولوی عنایت علی بریلوی بن گئے ہیں۔
ایسے نام نہاد محققین کے متعلق ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اس نمبر میں علامہ فضل حق خیرآبادی سے ایک فتویٰ منسوب کرکے بجا بجا ان کی قصیدہ خوانی کی گئی ہے۔ ہمیں ان کے علم و فضل کا اعتراف ہے۔ لیکن میدانِ جنگ یا تحریکِ جہاد میں ان کی شمولیت کے قصے ہمارے نزدیک افسانوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بار بار یہ کہا گیا ہے کہ دہلی میں جو فرضیتِ جہاد کا فتویٰ جاری ہوا وہ آپ ہی نے دیا تھا۔ لیکن حقائق اس دعویٰ کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ فتویٰ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں جاری ہوا۔ علامہ خیرآبادی ان دنوں مہندو راجہ الور کے ہاں ملازم اور دہلی سے باہر تھے۔ دہلی میں ان کی آمد ۱۵ اگست کے بعد کا واقع ہے۔ اور آتے ہی انہوں نے بہادر شاہ ظفر سے حصولِ منصب کی درخواست کر دی تفصیل کیلئے "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ" ملاحظہ فرمائیے۔ اس فتویٰ جہاد کی نقل اخبار "صادق الاخبار" دہلی میں شائع ہوئی۔ مکتبہ شاہراہ دہلی سے شائع ہونے والی کتاب "۱۸۵۷ء اخبار اور دستاویزیں" میں یہ فتویٰ مع اسماء مفتیانِ کرام کے درج ہے۔ لیکن کسی جگہ بریلویوں کے خودساختہ مجاہدِ کبیر علامہ فضل حق کے دستخط نظر نہیں آتے۔

حیرت ہے کہ نہ فتویٰ پر دستخط ہیں اور نہ اجرائے فتویٰ کے وقت موقع پر موجود ہیں۔ اس کے باوجود اجرائے فتویٰ آپ کا کارنامہ قرار دیکر جنگ آزادی کا ہیرو بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ خود ان کی کتاب "باغی ہندوستان" پڑھ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ شخصیت مقامِ استقامت پر فائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں آپ نرم و بہتر بستر چھن جانے۔ غم و آلام۔ تنگ کوٹھری، اور

گوشت کی جگہ دال ملنے کا رونا روتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے بالمقابل "کالا پانی" میں تحریک آزادی کے حقیقی مجاہدین یعنی مولانا یحییٰ علی صادقپوری، مولانا احمد اللہ صادقپوری ـــ مولانا محمد جعفر تھانیسری کا کردار ملاحظہ کریجئے کہ جائیداد ضبط ہو چکی ہے۔ خاندانی قبرستان سے بزرگوں کی ہڈیاں تک نکال باہر پھینکی گئی ہیں۔ بچوں کو عین عید کے روز گھر بدر کر دیا گیا ہے۔ دوپہر کی تمازت میں دھوپ میں چلانے کی مشقت پر لگا دیا گیا ہے۔ خون کے پیشاب آ رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مسرور ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کسی امتحان کے قابل سمجھا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا محمد میاں کی کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی"۔

اس نمبر کے مضمون نگاروں کو فتویٰ جہاد پر مفتی صدر الدین اور مفتی صدر الدین وغیرہ کے دستخط تو نظر آگئے ہیں۔ لیکن تیس سے زائد علماء میں سے سب پہلے تائیدی دستخط کرنے والے شیخ الکل حضرت میاں صاحب سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کا اسم گرامی نظر نہیں آیا۔ مقام حیرت ہے کہ ان کے نزدیک وہ شخص جو عمر بھر سندر راجوں اور انگریز سرکار کا ملازم رہا۔ اجرائے فتویٰ کے وقت دہلی سے باہر تھا۔ فتویٰ پر اس کے دستخط بھی نہیں ہیں۔ اور محض مسلمانوں کی کامیابی دیکھ کر جنگ کے آخری مراحل میں حصول منصب کیلئے دہلی چلا آیا۔ وہ تو مجاہد کبیر ہے۔ اور فتویٰ جہاد پر سب سے پہلے دستخط کرنے والا نذیر حسین ان کے نزدیک پشتینی وفادار انگریز سرکار ہے۔ اور اس پر الزام یہ ہے کہ اس نے انگریز عورت کو پناہ دی ہے۔ کیا بریلوی مکتب فکر کا کوئی بھی عالم یہ فتویٰ دے سکتا ہے کہ جنگ میں دشمن کی عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہے۔؟ ایک اہل علم نے اگر ایک سسکتی ہوئی زخمی عورت کو پناہ دیکر بچا لیا ہے۔ تو بتائیے مجرم کون ہے؟ اسے زخمی کرنے والا یا اسے بچانے والا۔؟ ایمانداری سے بتائیے کہ اگر آپ اس موقع پر ہوتے تو آپ کیا کرتے۔؟ کیا زخمی عورت کی مرہم پٹی کرتے یا اسے قتل کر دیتے۔؟ اگر میاں صاحب نے انسانیت اور اسلام کے تقاضے کے مطابق اسے پناہ دیدی تو یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ وہ انگریز کے وفادار تھے۔؟ اگر شمس العلماء کا خطاب ملنے کے باعث انگریز کا وفادار کہا جاتا ہے تو آپ تاریخ دیکھئے کتنے اکابرین کو انگریز کی طرف سے خطاب ملے ہیں۔ دور کیوں جائیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کو سر کا خطاب ملا۔ کیا وہ انگریز کے وفادار تھے۔؟ ہمارے نزدیک خطاب دلیل وفاداری نہیں ہے۔ جب کہ میاں صاحب نے نہ تو اس کے حصول کی کوشش و خواہش کی اور نہ ہی اس خطاب کو اپنے لئے وجہ عزت سمجھا اور نہ ہی اس کا اعزاز و اکرام کیا۔

بریلوی حضرات کا دامن تحریک آزادی کی خدمات کے سلسلہ میں قطعاً خالی ہے۔ اس لئے انہوں نے من گھڑت تاریخ سازی کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور ہر اس شخص کو جو معروف معنوں میں وہابی یا اہل حدیث نہیں ہے۔ اسے اپنے حساب میں شمار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں، کہ ہمیں پشتینی وفاداروں کا طعنہ دینے والے بتائیں کہ مولوی کرامت علی جونپوری کون ہیں۔؟ آپ نے عدم فرضیت جہاد پر ایک طویل لیکچر دیا جسے خان بہادر عبداللطیف نے دوسرے سنیوں کی آراء شامل کر کے کتابچہ کی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ اور ولیم ہنٹر نے بڑے فخر سے اس کا ذکر کیا ہے۔

میر سید محبوب علی جعفری دہلوی بھی وہابی نہیں ہے۔ جنہوں نے سید احمد شہید کی تحریک کی مخالفت بھی کی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھی انگریز کی بالواسطہ حمایت کی جس کے عوض انہیں انعام کی پیشکش بھی ہوئی۔ کیا یہ دائرہ سنیت سے خارج نہیں۔؟ مولانا قطب الدین دہلوی کون بزرگ ہیں۔؟ جن کا عدم فرضیت جہاد کا فتویٰ ولیم ہنٹر نے "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں درج کر کے اس نمبر کے مرتبین کے منہ پر چپت رسید کر دی ہے۔

ہم اس موضوع پر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ اور فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ادارہ ترجمان اہل سنت سے درخواست کرتے ہیں کہ اختلاف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن زبان شرفاء کی ہی استعمال کرنا چاہئے۔ دوسروں کے اکابرین کے نام بگاڑنا۔ سید [illegible] لکھنا۔ کسی کو پشتینی وفادار لکھنا۔ کسی کو بدعقیدہ کہنا۔ علمی، معیاری اور شریفانہ نہیں ہے۔ ہم حقائق کی زبان میں بات کریں گے۔ اور معقول و سنجیدہ تحریروں کا انشاء اللہ جواب بھی دیں گے۔

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
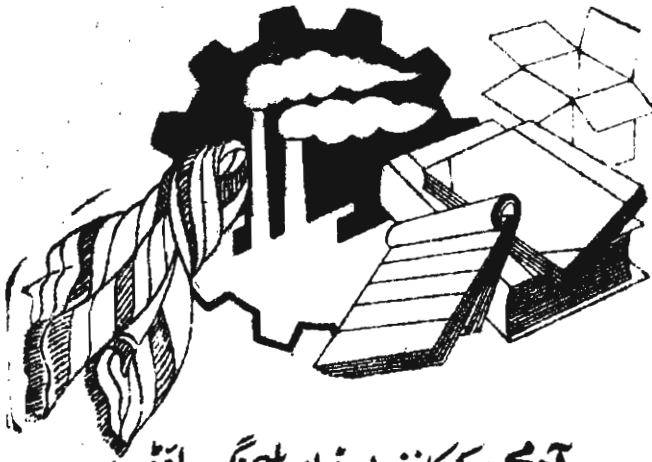
آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر

میزبانِ محترم

جذباتِ خلوص و مہمان نوازی ضرور اس کے متقاضی ہوتے ہیں کہ میزبان اپنے مہمان عزیز کے سامنے اپنا دل نکال کر رکھ دے۔ لذتِ کام و دہن کے تمام سامان فراہم کرنا میزبانی کی شان ہے اور ہماری روایت ہے۔

میزبانِ محترم! مہمان نوازی کی مشرقی روایات پوری کرنے کے لئے مناسب اور ضروری ہے کہ کھانے کے بعد اپنے معزز و محترم مہمان کے لئے کارمینا بھی فراہم کیجئے کیونکہ انواع و اقسام کے لذیذ و کثیر کھانے کے بعد کارمینا کی ہاضم ٹکیاں اکسیر کا حکم رکھتی ہیں۔ خاطرِ احباب کے لئے کارمینا ضروری ہے۔

کارمینا کی موجودگی مہمان کو گرانیٔ طبع کے خوف سے بے نیاز کر دے گی۔

MASS 137/74

Adarts
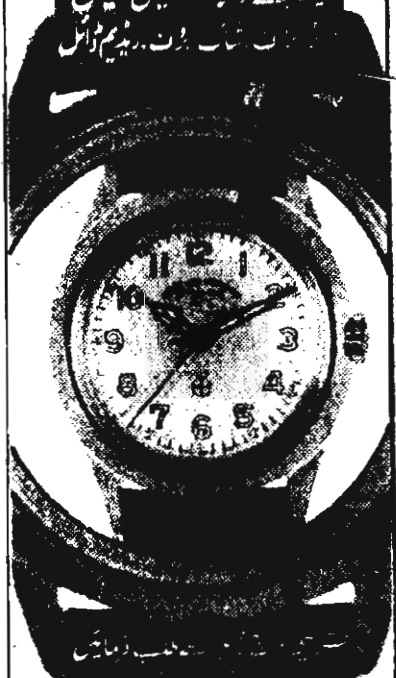
ایگل
ایک عالمگیر قلم
NO. T-584
NO.71
NO.71-A
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS
& CO. LTD.
ہر جگہ دستیاب ہے